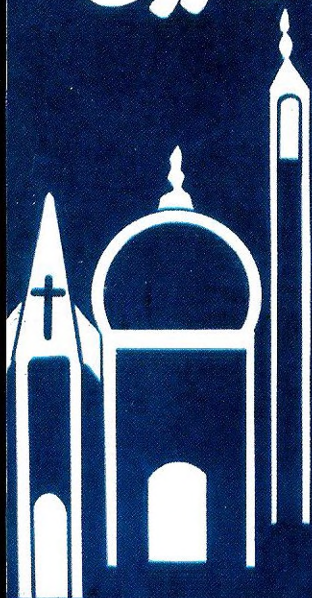
حاتم طائی لبنان میں







اے۔ حمید



چوتھا حصّہ

حاتم طائی لبنان میں

بچّوں کے لیے ناول

اے۔ حمید



فیروز سنز لمیٹڈ

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

غیر مجلد: 969 0 00215 5

ترمیم شدہ ــــــــــــــــ ۲۰۱۱ء

فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس و شوروم: 60۔ شاہراہ قائداعظم، لاہور۔

راولپنڈی آفس: 277۔ پشاور روڈ، راولپنڈی۔

کراچی آفس: فرسٹ فلور، مہران ہائٹس، مین کلفٹن روڈ، کراچی۔

حاتم طائی لبنان میں	Hatam Tai Libnan Mein
اے۔حمید	A. Hameed

مطبوعہ فیروزسنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر

email:support@ferozsons.com.pk

www.ferozsons.com.pk

پُر اسرار نقاب پوش

حاتم طائی ہوائی اڈّے سے باہر آ گیا۔ پیرس شہر کی روشنیاں دُھند میں ڈُوبی ہوئی تھیں۔

وہ اپنے خُفیہ ٹھکانے کی طرف پیدل ہی جا رہا تھا۔ اُس کا دماغ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ فلسطینی مُجاہد عُمر، لیلےٰ اور بلال کو ہر حالت میں بچانا چاہتا تھا۔ مگر وہ بےبس ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے پاس اگر کوئی جادُو تھا تو بس اتنا کہ اس پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ تو دوسروں کو مُصیبت سے نکالنا چاہتا تھا۔ اُسے کُنڈیں کی لاش اناتی کا خیال آ گیا، جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اڑے وقت پر ضرور اس کی مدد کرے گی۔

حاتم کو اناتی پر غُصّہ بھی آیا کہ خُدا جانے وہ کب اس کی مدد کو آئے گی، جب کہ اس وقت اُس کو اس کی سخت ضرورت تھی۔ اسرائیلی کمانڈو حاتم کے دوستوں عُمر اور خلیل کو پکڑ کے اپنے مُلک لے جا رہے تھے،

جہاں وہ اُن پر بڑے ظلم کرنے والے تھے۔ حاتم اُن کو دُشمنوں کے ظلم سے بچانا چاہتا تھا، مگر وہ نہ تو اُڑ کر اُن کے پاس پہنچ سکتا تھا اور نہ اسرائیلی جیٹ ہوائی جہاز ہی کو پکڑ سکتا تھا۔

وہ اسی قسم کے پریشان خیالات میں اُلجھا ہوا رات کی خاموشی اور ٹھنڈ میں ایک دُھندلی سڑک پر چلا جا رہا تھا۔ اُس نے رُک کر سوچا کہ وہ کدھر نکل آیا ہے! شاید وہ راستہ بھول گیا تھا، کیوں کہ جہاں وہ کھڑا تھا، وہ جگہ اُس نے پہلے نہیں دیکھی تھی۔ ہر طرف قبرستان ایسی خاموشی تھی۔ دُور کسی سڑک پر کار کے گزرنے کی ہلکی سی آواز آئی اور پھر وہ بھی غائب ہو گئی۔

دُھند بڑھ رہی تھی اور دس گیارہ گز کے فاصلے پر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ حاتم نے سوچا کہ اُسے واپس ایئر پورٹ جا کر ٹیکسی کے ذریعے اپنے خفیہ ٹھکانے پر پہنچنا چاہیے۔ وہ یہ سوچ کر واپس مڑنے ہی لگا تھا کہ اُسے ایک آواز سُنائی دی۔ یہ آواز گھوڑے کے ہنہنانے کی تھی۔

حاتم بڑا حیران ہوا۔ آدھی رات کو پیرس ایسے ماڈرن شہر میں گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز کہاں سے آ گئی!

اس نے چاروں طرف غور سے دیکھا۔ دُور ایک کھمبے پر مرکری بلب روشن تھا، جس کی دُودھیا روشنی میں دُھند کا غبار سا اُوپر کو اُٹھ رہا تھا، جیسے بادل گول دائرے میں گھُوم رہے ہوں۔ حاتم طائی اُدھر دیکھ ہی رہا تھا کہ دُھند کا غُبار ذرا سا دُور ہوا اور اس میں سے ایک نقاب پوش نمُودار ہوا، جو سفید گھوڑے پر بیٹھا ہوا تھا۔

حاتم نے خُدا کو یاد کیا اور نقاب پوش کو دُھند کے غبار میں سے نکل کر اپنی طرف بڑھتے دیکھنے لگا۔ نقاب پوش بادلوں میں سے نکل کر حاتم کے قریب آ کر رُک گیا۔ اس نے گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔ گھوڑا گردن اُونچی کر کے زور سے ہنہنایا۔ نقاب پوش نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہن رکھا تھا، جو مخمل کی طرح چمک رہا تھا۔ اس کے سر پر سیاہ تکونی ٹوپی تھی، جس پر کالے راج ہنس کا پر لگا تھا۔

دُھندلی روشنی میں اس پُر اَسرار انسان کی تیز چمکیلی آنکھیں کالے نقاب میں ستاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔

حاتم نے ہمت کر کے پُوچھا:

"اے پُر اسرار نقاب پوش، تُو کون ہے؟"

نقاب پوش کی ٹوپی کا سیاہ پر ہوا میں لہرا رہا تھا۔

اس نے رُک رُک کر بڑی پُر اَسرار آواز میں کہا:
"تم کُنویں کی لاش والی اناتمی کو جانتے ہو؟"
حاتم نے جواب دیا "جی ہاں ۔ اناتمی مجھے غار کے اندر کُنویں میں ملی تھی ۔ میں اُسی کی تلاش میں ہوں۔"
نقاب پوش بولا "تم اب اس سے نہیں مل سکتے لیکن اُس نے مجھے تمھاری مدد کے لیے بھیجا ہے۔"
حاتم نے کہا "آپ میری کیا مدد کر سکتے ہیں؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے دوستوں کو یہودی کمانڈو پکڑ کے تل ابیب لے گئے ہیں اور میں انھیں دُشمنوں کے چُنگل سے چھڑانا چاہتا ہوں؟ اس کے علاوہ فلسطینی مجاہد لیلےٰ اور بلال کو بھی اسرائیلیوں کے قبضے سے نکالنا چاہتا ہوں۔"
نقاب پوش نے ہاتھ اُٹھاتے ہوئے کہا "مجھے ایک ایک بات کی خبر ہے ۔ اناتمی کی طرف سے تمھیں ہدایت کی گئی ہے کہ مُلکِ لبنان میں جاؤ ۔ وہاں دارُالحکومت بیروت سے باہر، دریا کے کنارے، پہاڑوں میں ایک غار ہے ۔ اُس غار میں جانے کے بعد تمھیں پتا چلے گا کہ تم اپنے دوستوں کو پھانسی کے پھندے سے کس طرح بچا سکتے ہو۔"

حاتم طائی نے پوچھا "کیا مجھے غیر قانونی طور پر لبنان کی سرحد پار کرنا پڑے گی؟ میرے پاس پاسپورٹ نہیں ہے۔"

نقاب پوش نے کہا "نہیں۔ تم میرے ساتھ جاؤ گے۔ آؤ، میرے گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

حاتم پہلے تو حیران ہوا کہ یہ شخص مجھے گھوڑے پر بٹھا کر کیسے سرحد پار کرائے گا، لیکن پھر یہ سوچ کر آگے بڑھا کہ یہ کوئی پُر اَسرار انسان ہے اور اس کے پاس کوئی زبردست جادُو ہے، جس کی مدد سے یہ گھوڑے پر بیٹھا بادلوں میں اُڑتا پھرتا ہے۔

وہ گھوڑے کے پاس پہنچا تو گھوڑا اپنے آپ نیچے ہو کر اس کے برابر آ گیا۔ نقاب پوش نے حاتم کو پیچھے بیٹھنے کا اِشارہ کیا اور وہ بڑے آرام سے گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ گیا۔

نقاب پوش نے کہا "گھوڑے کی پیٹھ پر جمے رہنا، کیوں کہ اب ہم ہوا میں اُڑنے لگے ہیں۔"

حاتم تھوڑا سا گھبرایا، مگر یہ سوچ کر دل کو حوصلہ دیا کہ اگر وہ بادلوں میں گر بھی پڑا تو مرے گا نہیں اور نہ اسے کوئی چوٹ لگے گی۔

نقاب پوش نے گھوڑے کی باگیں کھینچ کر ڈھیلی چھوڑیں تو گھوڑا زمین سے اُوپر اُٹھنے لگا۔ حاتم کے لیے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ دُھند کا بادل گھوڑے کے اِرد گرد آسمان کی جانب اُٹھ رہا تھا۔ گویا وہ ہوائی جہاز کی طرح ہوا میں بلند ہو رہا تھا۔ دُھند چھٹی تو حاتم نے نیچے دیکھا۔ ایک بار تو حاتم کے بدن میں خوف سے کپکپی دوڑ گئی۔ نیچے پیرس شہر کے مکانوں، کارخانوں، سڑکوں اور بلند عمارتوں کی روشنیاں چھوٹی چھوٹی نظر آ رہی تھیں، جیسے ستارے جھلملا رہے ہوں۔

گھوڑا اب سیدھا ہو گیا تھا اور ہوا میں اس طرح دوڑا جا رہا تھا جس طرح گھوڑے زمین پر دوڑا کرتے ہیں۔ حاتم نے اپنے آگے بیٹھے ہوئے پُر اسرار نقاب پوش کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

اُس وقت پیرس میں رات کے ٹھیک ایک بج کر بارہ منٹ ہوئے تھے اور پیرس کے ایئر پورٹ اورلی سے برٹش ایئر ویز کا ایک بوئنگ ہوائی جہاز ہانگ کانگ جانے کے لیے رن وے سے ہوا میں بلند ہو رہا تھا۔ اس کا رُوٹ تھا پیرس سے لبنان اور پھر قاہرہ اور کراچی۔ اس جہاز کو دو بڑے ماہر اور تجربہ کار انگریز پائلٹ

اُڑا رہے تھے۔

جہاز میں مسافر سونے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایئر ہوسٹس مسافروں کو کافی اور چائے پیش کر رہی تھی۔

دونوں ہوا باز وائرلیس پر کنٹرول ٹاور سے برابر گفتگو کر رہے تھے، کیوں کہ ابھی بوئنگ جہاز پیرس کے اُوپر اپنی خاص بلندی پر نہیں پہنچا تھا۔

بوئنگ کافی اُونچائی پر آگیا اور اس نے اپنا رُخ لبنان کی طرف کر لیا۔ پائیلٹ نے کنٹرول ٹاور سے آخری ہدایت لی اور ریڈیو کا سلسلہ بند کر دیا۔ اچانک سینئر پائلٹ کیپٹن کُک نے اپنے ساتھی پائلٹ سے سامنے جہاز کی شیشے کی سکرین کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"کیا تم سامنے کچھ دیکھ رہے ہو؟"

ساتھی پائلٹ نے، شیشے میں سے، کچھ فاصلے پر بادل کا ایک گولا سا دیکھا جو گردش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کچھ حیرت سی تھی "ہاں۔ بادل کا ٹکڑا ہے"

کیپٹن کُک نے کہا "مگر میں نے اس طرح گولے کی طرح چکر لگاتا بادل پہلے کبھی نہیں دیکھا"

اچانک بادل کے گولے میں سے ایک سفید گھوڑا اُوپر کو اُٹھا، جس پر ایک سیاہ نقاب پوش اور اس

کے پیچھے ایک انسان بیٹھا تھا۔ اس نے سوچا کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا! اس نے اپنے سر کو دو تین بار جھٹکا۔ سیاہ نقاب پوش اور سفید گھوڑا، تاروں بھری رات میں، جہاز کے آگے آگے اُڑا جا رہا تھا۔

کیپٹن گک نے فوراً پیرس کے کنٹرول ٹاور سے ریڈیو پر کہا "ہیلو راجر! میں 6006 بول رہا ہوں۔ کیا تم سُن رہے ہو؟"

پیرس کنٹرول ٹاور نے جواب میں کہا "ہیلو چارلی 6006۔ تم کہاں ہو؟ تمھارا رابطہ لبنان سے ہونا چاہیے۔"

"راجر! میں اپنے جہاز کے آگے، بادل کے اُوپر، ایک سفید گھوڑے کو دیکھ رہا ہوں، جس پہ دو انسان سوار ہیں!"

"کیا کہہ رہے ہو؟" کنٹرول سے کوئی چیخا۔

"ہاں۔ اس گھڑ سوار کو میرا ساتھی پائلٹ بھی دیکھ رہا ہے۔ میں راستہ بدلنا چاہتا ہوں۔"

"کیپٹن! کیا تم خواب دیکھ رہے ہو؟ اگر اُونگھ رہے ہو تو فوراً کنٹرول اپنے اسسٹنٹ پائلٹ کے حوالے کر دو۔ میں تمھاری رپورٹ کر دوں گا۔"

"مجھے تمھاری رپورٹ کی کوئی پروا نہیں۔ میں اپنی

دونوں آنکھوں سے ایک سیاہ پوش گھڑ سوار کو ہوا میں اُڑتا دیکھ رہا ہوں، جس نے اپنے پیچھے ایک آدمی کو بٹھا رکھا ہے۔"

اسی وقت اُس کے ساتھی ہوا باز نے بھی ریڈیو پر کہا "کیپٹن گک غلط نہیں کہہ رہا۔ گھڑ سوار کو اُڑتا ہوا میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

"کیا تم دونوں نے بھنگ پی رکھی ہے، جو ایسی باتیں کر رہے ہو؟ ہوش میں آؤ اور جہاز کو ذمّے داری سے اُڑاؤ۔"

کیپٹن گک نے کنٹرول ٹاور سے چیخ کر کہا "تم اور تمھاری ذمّے داری جائے جہنّم میں۔ اگر میرا جہاز اس گھڑ سوار سے ٹکرا گیا تو ہماری تباہی کی ذمّے داری تم پر ہو گی۔"

اس کے ساتھی پائلٹ نے کہا "ہم راستہ بدلنا چاہتے ہیں۔ ہمیں دوسرے رُوٹ کی کلیرنس دو۔"

کنٹرول ٹاور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا، کیوں کہ وہاں جو آدمی بیٹھا تھا اُسے یقین ہو چکا تھا کہ دونوں پائلٹ خواب میں باتیں کر رہے ہیں۔ کیپٹن گک نے اپنے طور پر جہاز کا تھوڑا سا زاویہ بدل لیا تاکہ نقاب

پوش گھڑ سوار سے جہاز کی ٹکر نہ ہو جائے۔ بوئنگ نقاب پوش سے ذرا دُور ہو گیا اور پھر آگے نکل گیا۔

اس جہاز کو حاتم طائی بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے نقاب پوش سے اس خطرے کا اظہار کیا کہ کہیں جہاز سے ان کی ٹکر نہ ہو جائے۔ اس کے جواب میں نقاب پوش نے اپنی پُر اسرار آواز میں صرف اتنا ہی کہا:

"خاموش بیٹھے رہو، حاتم!"

برٹش ایئر ویز کا بوئنگ آسمان پر، رات کے اندھیرے میں، نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ حاتم بڑی مضبوطی سے جم کر گھوڑے پر بیٹھا تھا اور نیچے نہیں دیکھ رہا تھا۔ گھوڑے کی رفتار بہت تیز تھی۔ اس کا اندازہ حاتم کو اس وقت ہوا جب تھوڑی دیر بعد اُس نے جُھک کر دیکھا کہ نیچے ایک روشنیوں سے جھلملاتا ہوا شہر گزر رہا ہے۔ نقاب پوش نے کہا:

"ہم مُلک آسٹریا کے اُوپر سے گزر رہے ہیں۔"

اس کے بعد وہ اٹلی کے اُوپر آ گئے۔ ان کے نیچے سے روم کا شہر گزرنے لگا، جس کی روشنیاں ستاروں کی طرح جگ مگ کر رہی تھیں۔ ان کا گھوڑا دو آسمانوں کے درمیان اُڑا چلا جا رہا ہے۔

اچانک تیز روشنی کا دھماکا سا ہوا، اور ایک جلتی ہوئی دُم دار ستارے کی طرح کی کوئی چیز اُن کے گھوڑے کے قریب سے ہو کر گزر گئی۔ حاتم نے نقاب پوش سے کہا:

"شاید یہ کوئی شہابِ ثاقب کا ٹکڑا ہے۔"

نقاب پوش نے جواب میں کہا "نہیں۔ یہ تمہاری دُنیا کے لڑاکا جیٹ ہوائی جہاز کی دُم سے نکلا ہوا راکٹ تھا۔"

"کیا مطلب؟" حاتم نے گھبرا کر پوچھا۔

"اٹلی کا ایک لڑاکا جہاز ہم پر راکٹ برسا رہا ہے۔"

اب حاتم طائی نے ایک قیامت خیز گرج کی آواز سُنی۔ جیٹ فائٹر ان کے اُوپر سے ہو کر گزر گیا تھا۔

بات یہ ہوئی کہ برٹش ایئرویز کے بوئنگ جہاز نے پیرس کے ایئرپورٹ کنٹرول ٹاور کو جو تشویش ناک سگنل دیے تھے وہ روم کے کنٹرول ٹاور نے بھی سُن لیے تھے اور وہ خبردار ہو گیا تھا، کیوں کہ اُن کے ریڈار پر گھوڑے کی تصویر اُبھر آئی تھی۔ تصویر ایک نقطے کی شکل میں تھی جسے انھوں نے یہ سمجھا کہ دشمن ملک نے

اپنا جاسوس طیّارہ اٹلی کی فضا میں بھیجا ہے۔ اسی وقت روم کی ہوائی فوج کو خبر کر دی گئی۔

روم کی ہوائی فوج کے کمانڈر نے فوراً اپنے لڑاکا طیّاروں کو حکم دیا کہ روم کے آسمان پر یہ جو ایک پُراسرار شے نظر آ رہی ہے، اسے للکارا جائے، اور اگر وہ نیچے اُترنے پر رضا مند نہ ہو تو فضا ہی میں راکٹ مار کر تباہ کر دیا جائے۔

ایک لڑاکا طیّارہ اسی وقت فضا میں بلند ہو گیا۔ اس کے پائلٹ نے وائرلیس پر نقاب پوش گھڑسوار کو للکارا، مگر ان کے پاس بھلا کون سا وائرلیس سیٹ تھا کہ جس پر پائلٹ کا سگنل سُنائی دیتا۔

جب چھ سات بار للکارنے کے باوجود پائلٹ کو کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے جہاز کو ایک طرف غوطہ دیا اور پہلا راکٹ فائر کر دیا۔ یہ راکٹ فضا میں گھڑسوار کے قریب سے نکل گیا۔ پائلٹ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ جس اُڑتی ہوئی شے کو وہ نشانہ بنا رہا ہے، وہ کیا ہے! اگر وہ دُشمن کا کوئی جاسوس طیّارہ ہوتا تو اس میں سے روشنی ضرور نکل رہی ہوتی۔ یہاں روشنی بھی کوئی نہ تھی۔ جب وہ

غوطہ لگا کر نقاب پوش اور حاتم کے اُوپر سے گزرا تو اس نے اپنی کاک پٹ میں سے جھک کر نیچے دیکھا۔ اُسے ایک سفید گھوڑا نظر آیا جس پر دو آدمی سوار تھے۔ وہ خوف اور حیرت سے کانپ اُٹھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے! اُس نے فوراً کنٹرول کو وائرلیس پر بتایا کہ دو آدمی گھوڑے پر بیٹھے آسمان میں اُڑ رہے ہیں.

کنٹرول پر اطالوی کمانڈر بیٹھا تھا۔ اس نے پائلٹ کو ڈانٹ کر کہا "تم ہوش میں ہو؟ یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"سر! میں اپنی دونوں آنکھوں سے ایک سفید گھوڑا دیکھ رہا ہوں جس کی پیٹھ پر دو انسان سوار ہیں اور گھوڑا ہوا میں اُڑتا جا رہا ہے۔"

کمانڈر نے جھنجھلا کر غصّے سے کہا "بکواس بند کرو۔ تم جو کچھ بھی دیکھ رہے ہو اسے راکٹ مار کر تباہ کر دو اور رپورٹ کرو۔"

"او کے، سر۔"

پائلٹ نے سفید گھوڑے کو نشانہ بنا کر دوسرا اور پھر تیسرا راکٹ چھوڑ دیا۔ دونوں راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے۔ حاتم طائی نے آگ کی طرح روشن راکٹوں کو جہاز سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا تو سوچا کہ نقاب

پوش کو خبردار کر دینا چاہیے، کیوں کہ اس کا منھ سامنے کی طرف تھا اور راکٹ پیچھے سے آ رہے تھے۔ اس نے چلّا کر کہا:

"ہم پر جہاز نے دو راکٹ پھینکے ہیں۔"

نقاب پوش نے بڑے سکون سے کہا "خاموشی سے بیٹھے رہو۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔"

اتنے میں راکٹ گھوڑے کے پاس آ کر فضا میں پھٹ گئے۔ حاتم کو ایسے محسوس ہوا جیسے سفید گھوڑے کے اِرد گِرد فولاد سے بھی زیادہ مضبوط شیشے کی گول چار دیواری ہے جس سے ٹکرا کر یہ راکٹ پھٹے تھے۔

پائلٹ کے پاس آٹھ دس راکٹ تھے، جو بڑے سے بڑے ہوائی جہاز کے پرخچے اُڑا سکتے تھے۔ اُس نے آٹھوں راکٹ فائر کر دیے اور یہ سارے راکٹ گھوڑے کے گرد کھڑی شِیشے کی دِیوار سے ٹکرا ٹکرا کر فضا میں ہی بھسم ہوتے گئے۔ حاتم طائی اور نقاب پوش کو کچھ بھی نہ ہوا۔

پائلٹ نے اب مشین گن سے ان پر گولیاں برسانی شروع کر دیں۔ وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب غوطہ لگاتا اور سفید گھوڑے پر گولیاں برسا کر اُوپر نکل جاتا۔

لیکن یہ گولیاں بھی نقاب پوش ، سفید گھوڑے اور حاتم تک نہ پہنچ سکیں اور شیشے کی دیوار سے ٹکرا کر ہی رہ گئیں۔

پائلٹ کی اس ضد سے کہ وہ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا ، نقاب پوش کو غصّہ آ گیا۔ اس نے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھایا۔ پھر ہاتھ کی بڑی انگلی جیٹ لڑاکا ہوائی جہاز کی طرف کر کے اُسے ذرا سا جھٹکا دیا۔ انگلی سے نیلی روشنی کی ایک باریک لکیر نکل کر جہاز کی دُم سے ٹکرائی۔ روشنی کی لکیر کا ہوائی جہاز کی دُم سے ٹکرانا تھا کہ جہاز کو آگ لگ گئی۔ ہوا باز نے فوراً بٹن دبا دیا۔ وہ کاک پٹ سمیت جلتے جہاز میں سے اوپر اُچھلا اور پھر پیرا شوٹ کے ذریعے نیچے اُترنے لگا۔ اس کے کاک پٹ سے باہر آتے ہی ہوائی جہاز پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

حاتم طائی گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا یہ سارا تماشا دیکھتا رہا۔ نقاب پوش نے اس دوران میں حاتم سے کوئی بات نہ کی۔ ان کا گھوڑا اب بحیرۂ روم کے اوپر سے گزرنے کے بعد لبنان کی بندرگاہ اور سب سے بڑے شہر بیروت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نیچے شہر کی اونچی اونچی عمارتوں کی روشنیاں

چھوٹے چھوٹے روشن موتیوں کی طرح نظر آ رہی تھیں۔ نقاب پوش نے کہا:

"ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد لبنان کے جنوب میں ایک دریا کے کنارے اُتریں گے۔"

حاتم نے کوئی جواب نہ دیا، لیکن دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اُن کی منزل آ گئی ہے، کیوں کہ وہ فضا میں اُڑتے ہوئے اب تنگ آ گیا تھا۔ خوف سے اس کا سر چکرانے لگا تھا۔ اگر چہ اُسے معلوم تھا کہ وہ گرنے سے مرے گا نہیں، لیکن یہ خوف اس کی ہڈیوں تک اُتر چکا تھا کہ اگر وہ گھوڑے سے گر گیا تو ہزاروں فٹ نیچے زمین یا کسی پہاڑی سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد نقاب پوش ایک جگہ جنگل میں اُتر گیا۔

اُدھر بیروت کے ایئر پورٹ کے کنٹرول ٹاور نے ایک عجیب سی سفید شے کو آسمان سے نیچے اُترتے دیکھ لیا تھا اور لبنان کی ہوائی فوج ہوشیار ہو گئی تھی۔ جوں ہی پُر اسرار نقاب پوش زمین پر اُترا، دو لڑاکا جیٹ گرجتے ہوئے اس کے اُوپر سے گزر گئے۔ حاتم طائی نے کہا:

"معلوم ہوتا ہے، یہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے"

نقاب پوش نے کہا "یہ ہمارا کچھ نہیں لگاڑ سکتے۔ ویسے بھی ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ یہاں سے چند قدم کے فاصلے پر دریا بہتا ہے۔ دریا کے کنارے ایک فرلانگ آگے چلو گے تو ایک پہاڑی آئے گی۔ اُس کے اُوپر ایک اندھیرا غار ہے جس کے اندر تمھیں اناتمی کا ایک خاص پیغام ملے گا۔ اچھا خُدا حافظ۔ میں نے اپنا فرض پُورا کر دیا"

یہ کہہ کر پُراسرار نقاب پوش نے گھوڑے کی لگامیں کھینچیں اور وہ اُوپر اُٹھنے لگا۔ پھر آسمان کے اندھیروں میں غائب ہو گیا۔

حاتم طائی دریا کی طرف روانہ ہوا۔ مشرق کی طرف آسمان پر زرد چاند نکل آیا تھا، جس سے جنگل میں ہلکی ہلکی روشنی ہو گئی تھی۔ جیٹ ہوائی جہازوں کے گزرنے کے بعد وہاں قبرستان ایسی خاموشی چھا گئی تھی۔ سفیدے اور سرو کے اُونچے اُونچے درخت خاموش کھڑے تھے۔ ہوا چلتی تو درختوں میں سرسراہٹ کی آواز پیدا ہوتی۔ یُوں لگتا جیسے بھٹکی ہوئی رُوحیں ان میں چھُپ کر آہیں بھر رہی ہوں۔

دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہ تھا۔ دھیمی دھیمی چاندنی

میں وہ بڑے سکون سے بہہ رہا تھا۔ حاتم دریا کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ آگے، داہنی جانب، ایک اُونچی سی پہاڑی نظر آئی۔ حاتم نے پہاڑی کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ اچانک لبنانی فوج کے دو سارجنٹ پستول تان کر اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے اور گرج کر بولے:

"ہینڈز اَپ!"

قبرستان میں جاؤ

حاتم نے دونوں ہاتھ اُوپر اٹھا دیے۔

ایک سارجنٹ نے آگے بڑھ کر اُس کی تلاشی لی۔

اس کی جیکٹ میں صرف چند لبنانی پونڈ تھے، اور کچھ نہ تھا۔ سارجنٹ نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ کر ہتھ کڑی لگا دی۔

"میرا جُرم کیا ہے؟" حاتم نے پُوچھا۔

"تمھارے ساتھی جاسوس کہاں ہیں؟ جس ہیلی کاپٹر سے تم اُترے وہ کہاں سے اُڑا تھا؟" سارجنٹ نے پُوچھا۔

حاتم نے کہا "میں کسی ہیلی کاپٹر کو نہیں جانتا۔ میں تو حاتم طائی ہوں اور ڈیڑھ ہزار سال پہلے کے زمانے سے نکل کر دُکھی لوگوں کی مدد کرنے آیا ہوں۔"

دونوں سارجنٹ طنزیہ انداز میں مسکرائے۔ ایک بولا:
"ہم جانتے ہیں، تم کون ہو۔ تم ملک شام کے جاسوس ہو اور ہمارے خفیہ ہوائی اڈوں کا سراغ لگانے آئے ہو۔ مگر اب تم ساری زندگی جیل کی کال کوٹھڑی میں گزارو گے۔ چلو!"
جب حاتم طائی نے دیکھا کہ یہ لوگ مانتے ہی نہیں اور اس کا وقت ضائع کر رہے ہیں تو اس نے آخری بار بڑی شرافت سے کہا:
"بھائیو، میں کوئی جاسوس واسوس نہیں ہوں۔ چند مظلوم لوگوں کی مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ میری ہتھکڑی کھول دو اور مجھے جانے دو۔"
ایک سارجنٹ نے حاتم کے سر پر پستول کا دستہ مار کر کہا "بک بک بند کر اور ہمارے ساتھ چل!"
دوسرے سارجنٹ نے حاتم کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ اب حاتم کے صبر کی انتہا ہو گئی تھی۔ اس سے زیادہ وہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ اس نے بندھے ہوئے ہاتھوں کو ذرا سا جھٹکا دیا تو ہتھکڑی ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ چاند نکل آنے کی وجہ سے اتنا اندھیرا نہ تھا کہ کچھ نظر ہی نہ آئے۔ اُن دونوں نے حاتم کو ہتھکڑی

ٹوڑتے دیکھا تو پستول سے فائر کر دیے۔ گولیاں حاتم کی دونوں ٹانگوں میں لگیں، اور اس کے گھٹنوں سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ سارجنٹ سمجھے کہ نشانہ خطا گیا۔ انھوں نے ایک ایک گولی اور چلا دی اور ساتھ ہی حاتم کو قابو میں کرنے کے لیے اس پر حملہ کر دیا۔

حاتم اُن کے قابو میں آنے والا نہ تھا۔ اس نے پہلے تو اُن کے پستول چھین کر انھیں دریا کی طرف پھینک دیا، پھر اُن کی گردنیں دبوچ کر اس زور سے سر آپس میں ٹکرائے کہ دھائیں کی آواز کے ساتھ دونوں سارجنٹ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

حاتم نے انھیں اسی جگہ چھوڑا اور پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ چڑھائی کافی سخت تھی۔ چاند پہاڑی کے پیچھے تھا، اس لیے ڈھلان پر اندھیرا تھا۔ حاتم جھاڑیوں کو پکڑ کر اُوپر چڑھ رہا تھا۔ تھکن تو اُسے ہوتی نہ تھی۔ وہ چڑھتا چلا گیا۔ کافی چڑھائی چڑھنے کے بعد سامنے ایک غار آ گیا۔ اس کا مُنھ زیادہ چوڑا نہ تھا۔ وہ جُھک کر اندر جا سکتا تھا۔ لیکن غار کے اندر اندھیرا چھایا ہوا تھا اور کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

حاتم نے غار کے پاس کھڑے ہو کر اِرد گِرد

دیکھا۔ ایک عجیب قسم کی ڈراؤنی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ کوئی پتّا تک نہ کھڑکتا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے رات سانس روکے کھڑی ہو۔ اب چاند پہاڑی کے اُوپر آگیا تھا۔ اور اُس کی زرد کرنیں ڈھلان کی جھاڑیوں پر پڑنے لگی تھیں۔

حاتم نے غار کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ خُدا جانے کدھر سے ایک بہت بڑی چمگادڑ پھڑپھڑاتی ہوئی آئی اور حاتم سے ٹکرا کر غار کے اندر غائب ہو گئی۔ حاتم پیچھے کو ہٹ گیا۔ ایک سنسناہٹ سی اُس کے جسم میں دوڑ گئی۔ پھر بھی وہ بڑی بہادری سے آگے بڑھا، کیوں کہ اسے ہر حالت میں غار کے اندر جانا تھا۔ ابھی اس نے غار کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک ڈراؤنی آواز بلند ہوئی:

"جو غار کے اندر آئے گا، زندہ واپس نہیں جائے گا۔"

حاتم کے قدم وہیں رُک گئے۔ یہ آواز بڑے ہیبت ناک انداز میں تین بار بلند ہو کر غار کے اندر ہی غائب ہو گئی تھی۔ آواز کسی چُڑیل کی لگتی تھی۔ حاتم نے اللہ کا نام لیا اور غار کے اندر ہو گیا۔ کسی قسم

کی آواز سُنائی نہ دی۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ غار میں اس قدر اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم دیوار کو پکڑ کر چل رہا تھا۔

اچانک غار ایک طرف کو گھوم گیا، اور وہی چمگادڑ ایک بار پھر منحوس آواز نکالتی، پھڑپھڑاتی ہوئی حاتم کے سر کے اُوپر سے گزر کر باہر نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی غار میں روشنی ہو گئی۔

ابھی حاتم کچھ دیکھ نہ سکا تھا کہ روشنی ایک دم بُجھ گئی، لیکن پھر فوراً دوبارہ جلی۔ اس کے بعد وہ تیزی سے جلنے بُجھنے لگی۔

حاتم نے دیکھا کہ غار کے کونے میں ایک اِنسانی سر لوہے کی ایک لمبی سی کیل میں لٹکا ہوا ہے۔ روشنی اس سر کی آنکھوں سے نکل کر جل بجھ رہی تھی۔ یکایک سر کے ہونٹ ہلے اور پھر وہی آواز بلند ہوئی:

"جو اس غار کے اندر آئے گا، زندہ واپس نہیں جائے گا۔"

حاتم سوچنے لگا کہ اناتھی نے اُسے غار کے اندر بُلا کر کس مُصیبت میں پھنسا دیا ہے! کہیں ایسا نہ ہو کہ غار میں آگ لگ جائے اور وہ یہاں سے باہر نہ

نکل سکے۔ اندر ہی جل کر راکھ ہو جائے۔
اُس نے جی کڑا کیا اور سر سے آگے نکل گیا۔
اب غار کی چھت اُونچی ہو گئی تھی۔ اندر روشنی تو نہیں تھی مگر زیادہ اندھیرا بھی نہ تھا۔ اس دُھندلی دُھندلی روشنی میں حاتم نے دیکھا کہ ایک آدمی اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا ہے۔ اُس نے سیاہ چُغہ پہن رکھا تھا، مگر اس کا سر غائب تھا! شاید یہی وہ زندہ لاش تھی جس کا سر اس نے غار کی دیوار سے لٹکا ہوا دیکھا تھا۔
حاتم کی جگہ کوئی اور ہوتا تو سر کٹی لاش دیکھ کر غش کھا کر گر پڑتا۔ مگر حاتم ایک دلیر انسان تھا۔ پھر اسے یقین تھا کہ دُنیا کا کوئی جن بھُوت، کوئی چڑیل، کوئی جادُو، اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔
اچانک سر کٹی لاش میں حرکت ہوئی، اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہوا اور اس میں سے ایک شُعلہ نکل کر اُوپر اُٹھ کر غائب ہو گیا۔ حاتم نے کہا:
"اے شخص! تو کون ہے اور میرا راستہ کیوں روکے کھڑا ہے؟ میرے آگے سے ہٹ جا"
سر کٹی لاش نے اپنا ایک ہاتھ گریبان میں ڈالا

اور جب باہر نکالا تو اُس میں دو کالے سانپ تھے جو پھن اُٹھائے پھنکار رہے تھے۔ دونوں خوف ناک کالے سانپ شوں شوں کرتے، اُڑتے ہوئے آئے اور حاتم کے جسم سے چمٹ کر اُسے ڈسنا شروع کر دیا۔

حاتم نے سانپوں کو اپنے جسم سے الگ کیا اور پھر پیروں کے نیچے رکھ کر کچل دیا۔ سانپوں کے مرتے ہی سر کٹی لاش چیخ مار کر غائب ہو گئی۔ اب غار میں رونگٹے کھڑے کر دینے والی خاموشی چھا گئی تھی۔

غار میں دھندلی سی روشنی تھی۔ حاتم آگے بڑھا تو، سامنے دیوار میں، سیڑھیاں چڑھ کر ایک دروازہ آگیا۔ دوسری طرف بھی تین چار سیڑھیاں نیچے اُترتی تھیں۔ حاتم دوسری طرف اُتر گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا حجرہ تھا جس کی چھت نیچی تھی اور دیواروں میں نوک دار پتھر اُبھرے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک کنواں تھا۔ حاتم کنویں کی طرف بڑھتے بڑھتے رُک گیا۔

کنویں کے اندر سے نیلی روشنی نکلنے لگی تھی، جو اُوپر کو پھیلتی جا رہی تھی۔ پھر ایک زبردست پھنکار کی آواز سنائی دی اور کنویں میں سے ایک بہت بڑے اژدہے نے گردن باہر نکالی۔ اس اژدہے کے سات

مُنہ تھے۔ ہر مُنہ نے پھن پھیلا رکھا تھا اور سُرخ زبان بار بار باہر نکل رہی تھی۔ حاتم طائی دیوار سے لگا کھڑا، حیرت سے اژدہے کو دیکھ رہا تھا کہ اژدہا بولا:

"حاتم طائی! تم ایک بہادر اور سخی انسان ہو۔اسی وجہ سے خُدا تمہاری ہمیشہ مدد کرتا ہے۔"

حاتم نے پُوچھا "اے اژدہے، مجھے اناتمی نے یہاں بُلایا ہے۔ وہ کہاں ہے؟"

اژدہا کہنے لگا "میں اناتمی کا بھائی ہوں، اور اس پہاڑی کا مالک ہوں۔ غار میں جگہ جگہ تمہارا امتحان لیا گیا، اور تم ہر امتحان میں پُورے اُترے۔اب میری بات غور سے سُنو۔ میں تمہیں اپنی بہن اناتمی کا خاص پیغام دینے لگا ہوں۔کیا تم میری بات سُننے کے لیے تیّار ہو؟"

حاتم نے کہا "ہاں، میں تیّار ہوں۔"

اژدہا بولا "بیروت شہر کے شمال میں ایک جگہ ویران کھنڈروں میں، ایک بہت پُرانا قبرستان ہے۔اس قبرستان میں ایک پُرانے مقبرے کے نیچے ایک انسان دشمن، شیطان جیسی خصلت والے، یہودی سرجن نے ایک خُفیہ لیبارٹری بنا رکھی ہے، جہاں وہ کل رات ایک

گھناؤنا تجربہ کرنے والا ہے۔

"اُس نے ایک غریب مسلمان لبنانی بچّے کو اغوا کر لیا ہے۔ کل رات وہ اس بچّے کی کھوپڑی میں سے دماغ نکال کر اس کی جگہ کُتّے کا دماغ ڈال دے گا اور کُتّے کی کھوپڑی میں اُس بچّے کا دماغ رکھ دے گا۔

"بچّے کے ماں باپ نے رو رو کر بُرا حال کر لیا ہے۔ ان کو کوئی خبر نہیں کہ اُن کے لختِ جگر پر کیا گزرنے والی ہے۔ فوراً وہاں جا کر بچّے کو کُتّے کی موت مرنے سے بچاؤ اور شیطان ڈاکٹر کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

حاتم نے پوچھا "کیوں نہ میں پولیس کو جا کر اِطّلاع کر دوں تاکہ پولیس چھاپا مار کر ڈاکٹر کو گرفتار کر لے؟"

اژدہا بولا "نہیں، ایسا نہ کرنا۔ اگر اس شیطان یہودی ڈاکٹر کو ذرا بھی پتا چل گیا کہ پولیس آ رہی ہے تو وہ بچّے کو ہلاک کر کے اس کی لاش تیزاب کے ڈرم میں ڈال دے گا جہاں سے کوئی ثبوت نہ مل سکے گا اور وہ عدالت میں صاف بچ جائے گا۔ اس لیے تم خاموشی سے وہاں جاؤ اور مصیبت زدہ ماں کے اکلوتے بیٹے کی زندگی بچاؤ۔

"اس بچّے کا نام حسن ہے۔ اس کے پڑدادا نے

ایک بہت بڑا خزانہ یہاں دفن کر رکھا ہے، جس کی میں حفاظت کر رہا ہوں۔ اس لڑکے کو جا کر بچاؤ۔ پھر میں یہ خزانہ اُس کے حوالے کر دوں گا جو اس کی امانت ہے۔"

حاتم شہر کے قبرستان کی نشانی لے کر اژدہے سے رخصت ہوا اور غار سے باہر آ گیا۔ اب رات ڈھل چکی تھی اور دن کا اُجالا پھیل رہا تھا۔ اُبھرتے سُورج کی روشنی میں پہاڑی پر سے نیچے بل کھاتا دریا سفید سانپ کی طرح لگ رہا تھا۔

حاتم پہاڑی سے نیچے اُتر کر مکئی کے لہلہاتے کھیتوں اور انگور اور خُوبانی کے خُوب صُورت باغوں میں سے گزرتا، شہر جانے والی سڑک پر آ گیا۔ یہاں اُسے ایک دو منزلہ بس مل گئی، جس نے اُسے لبنان کے دارُالحکومت اور بُحیرۂ روم کے کنارے آباد سب سے حسین شہر بیروت کے بڑے چوک میں اُتار دیا۔

بیروت کی کئی کئی منزلہ بلڈنگیں آسمان کی طرف سر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ کشادہ سڑکوں پر چمکیلی کاریں دوڑ رہی تھیں۔ بچّوں سے بھری ہوئی شاندار بسیں سکولوں کی طرف رواں دواں تھیں۔

حاتم اندازے سے شہر کے شمال کی جانب چلا جا رہا تھا۔ سڑک پر ٹریفک کا بڑا شور تھا۔ صبح ہوتے ہی شہر کے ہنگامے جاگ اُٹھے تھے۔ فٹ پاتھ پر بھی خوش پوش، خوش شکل لوگوں کا ہجوم تھا۔ حاتم چلتا چلتا شہر سے باہر کے علاقے میں آ گیا۔

یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ سڑک ایک پہاڑی کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف جا رہی تھی۔ آگے جا کر سڑک گھومی تو نیچے ایک گہرا کھڈ آ گیا۔ کچھ فاصلے پر حاتم کو دو تین کاریں کھڑی دکھائی دیں۔ چند لوگ بھی سڑک پر موجود تھے۔ بائیں جانب ایک بس، ذرا ایک طرف کو جھکی، کھڑی تھی۔ حاتم قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ بچوں کی سکول بس ہے، جو کھڈ کے کنارے پر اٹکی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے موڑ کاٹا تو بس کے اگلے پہیے پھسل کر آگے لڑھک گئے۔ ڈرائیور نے ایک دم بریک لگائے اور بس ایک پتھر سے ٹکرا کر رک گئی مگر اس کا اگلا حصّہ کھڈ میں گرنے ہی والا تھا۔

ڈرائیور بے بس سا بیٹھا تھا۔ سکول کے بچّے سہمے ہوئے تھے۔ دو بچیاں رو رہی تھیں۔ کاروں والے لوگ پریشان اور بدحواس تھے۔ ایک آدمی کار لے کر فائر بریگیڈ

والوں کو فون کرنے گیا تھا تاکہ کرین لاکر بس کو کھڈ میں گرنے سے بچایا جا سکے۔

بس آدھی کھڈ میں جا چکی تھی۔ اس کا دروازہ جام ہو چکا تھا۔ حالت یہ تھی کہ اگر بس میں ذرا بھی حرکت کی جاتی تو اس کے کھڈ میں گر کر پاش پاش ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ڈرائیور نے بچّوں کو بڑی مشکل سے اپنی اپنی جگہوں پر خاموش بٹھا رکھا تھا۔

حاتم کے جاتے ہی بس کے پچھلے پہیئے چرچرائے اور بس تھوڑی سی کھڈ میں اور آگے چلی گئی۔ ایسے لگا کہ اب گرنے ہی لگی ہے۔ سہمے ہوئے بچّوں نے رونا شروع کر دیا۔ لوگوں کے مُنہ فق ہو گئے۔

حاتم یہ دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ اس نے اسی وقت بس کو کھڈ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ آگے بڑھا اور لوگوں کے منع کرنے کے باوجود بس کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ پیچھے ایک کُنڈا تھا۔ حاتم نے کُنڈے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر پاؤں سڑک پر جمائے اور بس کو پیچھے کھینچنے لگا۔

لوگوں نے حاتم کو پاگل سمجھا، جو اکیلا اتنی بھاری بس کو کھینچ کر کھڈ سے باہر نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ حاتم کو پکڑ بھی نہیں سکتے تھے۔انھیں ڈر تھا کہ اس طرح ہاتھا پائی کرنے سے بس آگے کھسک کر کھڈ میں جا گرے گی۔

لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بس نے پیچھے کھسکنا شروع کر دیا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے، کھڈ سے باہر نکلنے لگی تھی۔ لوگ پہلے تو حیران ہوئے، پھر دہشت زدہ ہو گئے کہ ایک عام انسان اتنی وزنی بس کو دونوں ہاتھوں سے کیسے باہر کھینچ رہا ہے!

بس آدھی باہر نکل آئی، اور پھر جو حاتم نے زور لگایا تو ساری کی ساری بس سڑک پر تھی۔ حاتم طائی نے پتلون کی جیب سے رومال نکال کر ہاتھ پونچھے اور لوگوں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

لوگ اس کی تعریف بھی کر رہے اور اس سے خوف بھی کھا رہے تھے۔ وہ اسے کوئی جن بھوت سمجھنے لگے تھے۔ حاتم نے کام بھی تو جنّوں بھوتوں والا ہی کیا تھا۔ بچّوں کے چہرے پھر سے مسکرانے لگے تھے۔ ڈرائیور نے باہر نکل کر حاتم سے ہاتھ ملایا، اس کا شکریہ ادا کیا اور کہا:

"آپ نے تو کمال کر دیا!"

"کیا آپ کسی سرکس میں کام کرتے ہیں؟" ایک معصوم
سی بچّی نے اپنی نیلی آنکھیں جھپکا کر پوچھا "یا آپ الف لیلہ
کے جن ہیں؟"

"ہاں، بے بی۔ میں جن ہوں مگر بچّوں سے بہت پیار
کرتا ہوں۔"

بچّوں نے تالیاں بجا بجا کر حاتم کا شکریہ ادا کیا۔ ایک
عورت نے اس سے کہا:

"میرے بھائی، آپ نے کتنی ہی ماؤں کی گود اُجڑنے
سے بچالی۔ میری کار میں آ جائیے۔ آپ جہاں جانا چاہتے
ہیں، میں آپ کو وہاں چھوڑ آؤں گی۔"

لوگوں نے حاتم کو انعام دینے کی بھی کوشش کی،
مگر اُس نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ وہ حاتم
طائی ہے۔ وہ دُنیا میں دُکھی لوگوں کی مدد کرنے کے
لیے آیا ہے اور دُکھیوں کی مدد ہی اس کا سب سے
بڑا انعام ہے۔

حاتم اُس عورت کی کار میں بیٹھ گیا تو عورت نے
بڑے احترام سے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا:

"عزیز بھائی، آپ کہاں جائیں گے؟"

حاتم نے کہا "شہر کے شمال میں ایک بہت پُرانا

قبرستان ہے۔"

"ہاں، ہے۔ لیکن آپ وہاں کیوں جا رہے ہیں؟"

"وہاں میرے ایک بزرگ کی قبر ہے۔"

عورت نے کار سٹارٹ کر دی، اور پہاڑ کا چکر کاٹ کر میدان میں آ گئی۔ میدان گزر گیا تو ناشپاتی کا ایک باغ آ گیا۔ سڑک باغ کے درمیان سے گزرتی تھی۔ درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ عورت نے حاتم کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا:

"میرا نام کریمہ ہے۔ میں ایک اخبار کی رپورٹر ہوں۔ اگر آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

حاتم نے کہا "مجھے دعوتیں کھانے کا شوق نہیں جب میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کے لیے کسی مہم پر جاتا ہوں تو کھانے پینے اور ہر قسم کے آرام سے بے نیاز ہوتا ہوں۔ پھر بھی آپ نے مجھے بھائی کہا ہے۔ میں شام کو آپ کے ہاں آنے کی کوشش کروں گا۔"

"مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

حاتم طائی نے کہا "مگر میری ایک شرط ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ آپ مجھ سے یہ ہرگز ہرگز نہیں پوچھیں گی کہ میں نے اتنی بھاری بس کھڈ سے باہر کیسے کھینچ لی۔"

"میں اخبار میں کام کرتی ہوں اور میرا کام ہی اس قسم کی سنسنی خیز خبریں جمع کرنا ہے، مگر میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس قسم کا کوئی سوال نہیں کروں گی۔"

"شکریہ۔ اب میں رات کا کھانا کھانے آپ کے ہاں ضرور حاضر ہوں گا۔"

کار ایک اجاڑ سے باغ کے آخری کنارے پر ایک ٹوٹی پھوٹی چار دیواری کے جھکے ہوئے محرابی دروازے کے آگے جا کر رُک گئی۔ کریمہ نے کہا:

"حاتم بھائی، یہ ہے شہر کا سب سے پرانا اور تاریخی قبرستان۔"

حاتم کار سے باہر نکل آیا۔ اس نے کریمہ کا شکریہ ادا کیا اور کریمہ اس سے کھانے پر آنے کا وعدہ لے کر چلی گئی۔ جب کار حاتم کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ قبرستان کے دروازے سے گزر کر اندر چلا گیا۔ یہ واقعی بڑا پرانا قبرستان تھا۔ بڑے بڑے گھنے درختوں نے وہاں دن کے وقت بھی اندھیرا کر رکھا تھا۔ قبرستان کے اِردگرد سوکھی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ان قبروں کو دیکھ کر کسی کو

یقین نہیں آ سکتا تھا کہ یہاں ایک قبر کے نیچے شیطان صفت ڈاکٹر نے اپنی لیبارٹری بنا رکھی ہے، جہاں وہ بھیانک تجربے کر رہا ہے!

کھوپڑی کا شگاف

حاتم کو اب ایک خاص قبر کی تلاش تھی، لیکن اتنی ساری قبروں میں اس قبر کو تلاش کرنا بڑا مشکل کام تھا، جس کے نیچے ڈاکٹر شیطان آج ایک گھناؤنا تجربہ کرنے والا تھا۔ لیکن حاتم کو تو وہ قبر ضرور تلاش کرنی تھی۔ اسے معصوم بچے حسن کو ڈاکٹر شیطان کے بھیانک تجربے سے بچانا تھا۔ وہ قبرستان میں گھوم پھر کر ایک ایک قبر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

اس وقت دن کی روشنی تھی، مگر قبرستان میں اونچے اور گھنے درختوں کی وجہ سے ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ فضا بڑی پُر اسرار اور ڈراؤنی تھی۔

اچانک حاتم کا پاؤں ایک کھوپڑی سے ٹکرایا۔ کھوپڑی اس کی ٹھوکر لگنے سے ایک جھاڑی کے پاس جا کر رک گئی۔ حاتم کو افسوس ہوا کہ ان جانے میں اس کا پیر ایک انسانی کھوپڑی سے ٹکرا گیا۔ اس نے اسے اٹھا کر

دیکھا تو اُس میں ایک چوکور سوراخ دکھائی دیا۔ یہ چوکور سوراخ ایسا تھا جیسے کسی نے تیز بلیڈ سے کاٹ کر بنایا ہو۔

اچانک حاتم کے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ کسی ایسے ہی بدنصیب انسان کی کھوپڑی تو نہیں جس پر ڈاکٹر شیطان نے تجربہ کیا تھا! اور کھوپڑی میں کسی جانور کا دماغ ڈالنے کی کوشش کی تھی!

حاتم نے کھوپڑی کو بڑی عزت سے ایک جگہ دفن کر دیا۔ اب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنی منزل کے قریب پہنچ چکا ہے۔ جس مقام پر اُس نے کھوپڑی کو دفن کیا، وہاں دیودار کا ایک گھنا درخت تھا۔ اس درخت کی شاخوں میں جگہ جگہ مکڑیوں نے جالے تن رکھے تھے۔ حاتم درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ قبرستان میں پھر پھر کر تنگ آ گیا تھا۔

اُسے کوئی پتا نہیں تھا کہ اس وقت کیا وقت ہے۔ گھڑی اس کے پاس نہیں تھی۔ کریمہ کو اُسے قبرستان میں چھوڑ کر گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ یکایک آسمان پر بادل چھانے لگے۔ لبنان کا موسم ناقابلِ اعتبار تھا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کب بادل چھا جائیں اور کب بارش شروع ہو جائے۔

بادل دیکھتے ہی دیکھتے گھنے ہو گئے اور قبرستان میں

روشنی کم ہو گئی۔ حاتم نے سوچا کہ بادل گھرے ہیں۔ بارش موسلا دھار ہو گی۔ کسی جگہ ٹھکانا بنا لیا جائے۔

وہ یہ سوچ ہی تھا کہ بارش شروع ہو گئی اور بادل گرجنے لگے۔ ناچار وہ درخت کے نیچے ہی بیٹھا رہا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر بعد درخت کی شاخوں سے بارش کا پانی ٹپکنے لگا۔ حاتم پریشان ہو گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ کہیں سر چھپانے کو جگہ مل جائے۔

درخت سے تھوڑی ہی دُور سامنے ایک پکّی قبر تھی، جس کا چبوترا ٹوٹا ہوا تھا اور اس کے اندر چوڑی جگہ بن گئی تھی۔ حاتم نے سوچا کہ بارش سے بچنے کے لیے یہی اچھّی جگہ ہے۔ وہ درخت کے نیچے سے نکلا اور بھاگتا ہوا چبوترے کے شگاف میں جا کر گھُس گیا۔ یہاں ایک آدمی بیٹھ سکتا تھا، کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ کوئی بڑی پُرانی قبر تھی جو کسی زلزلے کی وجہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ اس کے اندر نہ کوئی مُردہ تھا اور نہ اُس کی ہڈّیاں۔ بس کچّا فرش تھا جو زمین سے کوئی ڈیڑھ دو فٹ اُونچا تھا۔

حاتم بڑے اطمینان سے اس کھوہ میں بیٹھ گیا۔ یہاں سے وہ جگہ صاف نظر آ رہی تھی جہاں دیودار کے درخت کے نیچے اس نے شگاف والی انسانی کھوپڑی دفن کی تھی۔

بارش زور شور سے ہو رہی تھی۔ حاتم نے سوچا کہ جس قبر کے اندر وہ بیٹھا ہے کہیں اسی کے نیچے ڈاکٹر شیطان کی تجربہ گاہ نہ ہو۔ مگر اس کھوہ کی دیواریں کچی تھیں اور کہیں اس قسم کی نشانی نہ تھی کہ وہاں کوئی خفیہ دروازہ بھی ہو سکتا ہے۔

حاتم کو اژدہے کی سچّائی پر ذرا بھی شبہ نہ تھا۔ اُس نے سینکڑوں مُہمّیں سر کی تھیں۔ ہزاروں سفر کیے تھے۔ دشوار گزار جنگلوں سے گزرا تھا۔ بڑے بڑے خوف ناک درندے اور سانپ اُسے ملے تھے۔ زبردست جادوگروں سے اُس کا مقابلہ ہوا تھا۔ مگر اُس نے انسانوں کے مقابلے میں جانوروں اور درندوں کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا تھا۔ کسی پرندے، درندے یا سانپ نے کبھی اُس سے کوئی جھوٹی بات نہیں کہی تھی۔ اس لیے اُسے اژدہے کی بات پر پورا بھروسا تھا کہ اس قبرستان میں ڈاکٹر شیطان کی لیبارٹری ضرور ہے۔

شام ہونے لگی۔ جنگل میں گھُپ اندھیرا چھانا شروع ہو گیا۔ بارش کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بس ہلکی سی پھُوار پڑ رہی تھی۔ حاتم بے چین سا ہو رہا تھا۔ اسے معصوم حسن کی زندگی ڈاکٹر شیطان کی درندگی سے بچانی تھی، اور ابھی تک ڈاکٹر کی لیبارٹری کا پتا نہیں چلا تھا۔

بارش قریب قریب ختم ہو چکی تھی ۔ لیکن قبرستان میں اندھیرا ہو گیا تھا ۔ حاتم کو اندھیرے کی پروا نہ تھی ۔ وہ باہر نکلنے ہی والا تھا کہ اچانک اس کی نظر اس درخت پر پڑی جس کے نیچے اُس نے شگاف والی کھوپڑی دفن کی تھی۔

درخت کی شاخوں میں رُوئی کی طرح کوئی سفید سفید شے آہستہ آہستہ نیچے اُتر رہی تھی ۔ اس شے کی شکل انسانی جسم سے ملتی جُلتی تھی۔ دُور سے دیکھنے پر بھی اس کا چھوٹا سا سر اور بازو وغیرہ دکھائی دے رہے تھے، جو دُھوئیں کے بنے ہوئے تھے۔

حاتم کھوہ میں چُھپ کر بڑے غور سے اس سفید ہیولے کو دیکھنے لگا۔ سفید ہونے کی وجہ سے وہ قبرستان کے اندھیرے میں بھی صاف نظر آ رہا تھا ۔ اچانک وہ گردش کرنے لگا ۔ پھر لٹّو کی طرح گھومتے گھومتے درخت کی شاخوں سے نیچے اُترا اور جس جگہ کھوپڑی دفن تھی ، اُس کے اُوپر آ کر چکّر لگانے لگا۔

حاتم چُپ چاپ کھوہ میں بیٹھا یہ ڈراؤنا تماشا دیکھ رہا تھا ۔ اُس نے سوچا ، یہ ضرور اس کھوپڑی کی رُوح ہے جسے زمین میں دفن کیا گیا ہے ۔ اُس کے اس خیال کے ساتھ ہی سفید ہیولا ایک دم چکّر لگاتے لگاتے رُک گیا ۔ اُس

نے مڑ کر اُس کھوہ کی طرف دیکھا جہاں حاتم چُھپا ہوا تھا۔

ایسا محسُوس ہوتا تھا کہ رُوح نے یہ جان لیا ہے کہ حاتم کیا سوچ رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ حاتم کی طرف مُڑی اور پھر دھیرے دھیرے اس کی جانب بڑھنے لگی۔ حاتم خاموشی سے اُسے اپنی طرف آتے دیکھتا رہا۔ دل میں وہ تھوڑا تھوڑا گھبرا ضرور رہا تھا۔

حاتم کو یُوں لگا جیسے سفید ہیولے میں سے دو چمکتی آنکھیں اس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر تک رہی ہیں۔ اُس نے آہستہ سے زبان ہونٹوں پر پھیری اور پوچھا:

"تم ...... تم کون ہو؟"

ہیولے یا رُوح میں سے ایک ہلکی سی کراہ کی آواز آئی۔ ایسی درد ناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی آواز حاتم نے پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ قبرستان میں موت ایسی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ چاروں طرف گھُپ اندھیرا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ سفید ہیولا حاتم کے سامنے خاموش کھڑا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر حوصلہ کر کے پُوچھا:

"تُم کوئی رُوح ہو؟"

اس بار ہیولے میں سے کھڑکھڑاتی ہوئی گُونج والی

ہلکی سی آواز آئی :

"میں اس کھوپڑی کی رُوح ہوں جسے تم نے بڑی عزت سے دفن کیا ہے۔ میں تمھارا شکریہ ادا کرتی ہوں"

حاتم نے کہا "اب تم اس دُنیا میں کیا لینے آئے ہو؟"

رُوح نے کہا "میں اس دُنیا سے کبھی نہیں گیا۔ میری بے چین رُوح اسی قبرستان میں بھٹکتی پھرتی ہے"

حاتم نے پُوچھا "تم کون ہو اور تم پر کیا مُصیبت ٹُوٹی؟"

رُوح نے گُھٹی گُھٹی آواز میں کہا "میں جانتا ہوں، تم حاتم طائی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کس مقصد سے اس قبرستان میں آئے ہو۔ اسی لیے میں تمھاری مدد کرنے آیا ہوں۔

"میرا نام کمال ہے۔ میں ایک تُرک ہوں۔ بیروت میں محنت مزدوری کرنے آیا تھا کہ ایک روز ڈاکٹر شیطان کے کارندوں کے ہتّھے چڑھ گیا۔ وہ مجھے بے ہوش کر کے ڈاکٹر کی لیبارٹری میں لے گئے۔ اس نے میری کھوپڑی کا آپریشن کر کے اس کے اندر سے میرا بھیجا نکالا اور اس کی جگہ کُتّے کا بھیجا ڈال دیا۔

"جب مجھے ہوش آیا تو میں کتے کی طرح بھونک رہا تھا۔ تین دن تک اسی طرح بھونکتے رہنے کے بعد میں مر گیا۔ خدا جانے اس کتے کا کیا حشر ہوا جس کی کھوپڑی میں میرا دماغ ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد میری لاش کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ سوائے میری کھوپڑی کے میرے جسم کے سارے ٹکڑے تیزاب میں ڈال کر گلا دیے گئے اور میری کھوپڑی قبرستان میں پھینک دی گئی۔

"میری روح ساری ساری رات قبرستان میں بھٹکتی پھرتی کہ شاید کسی نیک آدمی کا اِدھر سے گزر ہو اور وہ میری کھوپڑی کو زمین میں دفن کر دے تاکہ میری روح کو سکون پہنچے۔ آخر یہ نیک کام تم نے کر دیا۔ اب میری روح کو سکون مل گیا ہے، مگر ابھی ڈاکٹر شیطان سے بدلہ لینا باقی ہے۔ اس کے قبضے میں ایک نو عمر عرب لڑکا ہے جس کی کھوپڑی کا وہ آج رات تین بجے آپریشن کرنے والا تھا اور جس کی جان بچانے تم یہاں آئے ہو۔"

حاتم نے بے چین روح کی کہانی سن کر کہا "کیا تم میری مدد کر سکتے ہو؟"

روح نے کہا "میں تمہاری صرف اتنی مدد کر سکتا ہوں

کہ نہیں وہ قبر بتا دوں جس کے نیچے ڈاکٹر شیطان نے اپنی لیبارٹری بنا رکھی ہے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

حاتم بولا "مجھے صرف یہی چاہیے۔"

رُوح نے کہا "آؤ، میرے ساتھ۔"

حاتم کھوہ سے باہر نکل آیا۔ رُوح کا سفید ہیولا قبرستان کے اندھیرے میں آگے آگے چلنے لگا۔ حاتم اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ آخر رُوح کئی ایک قبروں کے درمیان سے گزر کر ایک جگہ رُک گئی۔ اُس نے اپنا سفید دُھوئیں ایسا بازو اُٹھا کر ایک طرف اشارہ کیا اور کہا:

"اُس گنبد والے مقبرے کے نیچے ڈاکٹر شیطان کی لیبارٹری ہے۔ تمھیں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اس کے کارندے حسن کو بے ہوش کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپریشن تھیٹر میں ہر شے تیار ہے۔ جلدی کرو۔"

اتنا کہہ کر رُوح غائب ہو گئی اور حاتم گنبد والے مقبرے کی طرف بڑھا۔ یہ ایک چھوٹا سا اُونچی چھت والا، مقبرہ تھا، جس کی حالت خستہ تھی۔ گنبد کے چار ستون تھے۔ ایک ستون ڈھے چکا تھا۔ درمیان میں ایک پکّی قبر تھی، جس کی زرد رنگ کی ٹائیلیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔

حاتم نے قبر کا چاروں طرف سے جائزہ لیا۔ اُسے رُوح کی سچائی پہ یقین تھا۔ یہیں کہیں سے کوئی خفیہ راستہ نیچے جاتا تھا۔ حاتم اس خُفیہ راستے کی ٹوہ میں تھا کہ ایک آواز سُنائی دی۔ یہ کسی مشین کی گھرر گھرر کی آواز تھی۔ حاتم نے قبر کے ساتھ کان لگادیے۔ آواز قبر کے اندر سے آ رہی تھی۔

جُوں جُوں وقت گُزر رہا تھا، حاتم بے چین ہو رہا تھا کیوں کہ ایک معصُوم لڑکے کی زندگی اور موت کا سوال تھا۔ وہ ابھی خُفیہ راستے کو تلاش ہی کر رہا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے دو انسانوں کے باتیں کرنے کی آواز آئی جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے مقبرے میں سے نکل کر ایک درخت کی آڑ میں چھُپ گیا۔

چند لمحوں بعد اندھیرے میں سے دو آدمی نکلے اور اور مقبرے کے پاس آ کر رُک گئے۔ انھوں نے سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، جس کی وجہ سے وہ اندھیرے میں بہت مُشکل سے نظر آ رہے تھے۔ دونوں آدمی، چُپ چاپ کھڑے، اِدھر اُدھر غور سے دیکھ رہے تھے. وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کوئی اُن کے تعاقُب

میں تو نہیں آ رہا۔ جب انھیں یقین ہو گیا کہ کوئی شخص ان کا پیچھا نہیں کر رہا تو اُن میں سے ایک نے جُھک کر قبر کے کونے کی ایک اینٹ ہٹائی اور اندر ہاتھ ڈال کر کسی شے کو گھمایا۔ ہلکی سی آواز کے ساتھ قبر کُھل گئی اور وہ دونوں اُس کے اندر اُتر گئے۔

اُن کے اُترنے کے بعد قبر دوبارہ بند ہو گئی، اور اینٹ بھی اپنی جگہ پر سرکتی ہوئی آ گئی۔

جب اُن دونوں کو قبر میں غائب ہوئے پانچ سات منٹ ہو گئے تو حاتم درخت کی آڑ سے باہر نکل آیا اور دبے پاؤں چلتا مقبرے والی قبر کے پاس آ کر اُس کو کو ذرا سا دبایا۔ وہ اپنی جگہ سے کھسک گئی۔ اُس نے سوراخ کے اندر ہاتھ ڈالا تو وہ ایک ہینڈل سے جا لگا۔ اُس نے ہینڈل کو ذرا سا گھما دیا۔ گھرر گھرر کی ہلکی سی آواز آئی اور قبر درمیان سے کُھلنے لگی۔

حاتم تیزی سے قبر کے اندر اُتر گیا۔ یہاں ایک زینہ نیچے جا رہا تھا۔ وہ اندر آیا تو قبر اپنے آپ اُوپر سے بند ہو گئی۔ اب وہ، گھپ اندھیرے میں کھڑا تھا۔

زینہ پتھر کا تھا اور کافی تنگ۔ اس میں سے صرف ایک آدمی ہی گزر سکتا تھا۔ حاتم نیچے اُترنے لگا۔ زینہ

کوئی ایک منزل نیچے اُتر کر ایک چھوٹی سی سُرنگ پر ختم ہو گیا۔ اس سُرنگ کی چھت سات فٹ کے قریب اُونچی تھی۔ یہاں بھی اندھیرا تھا، البتہ دُور کہیں سے دُھندلی سی روشنی آ رہی تھی۔

حاتم وقت ضائع کرنے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے جو کچھ کرنا تھا، جلد ہی کرنا تھا۔ شبین کی وہ آواز جو اُسے باہر سُنائی تھی، یہاں زیادہ صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اُس نے خدا کا نام لیا اور سُرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنا شروع کر دیا۔ سُرنگ میں جگہ جگہ محرابیں بنی تھیں تاکہ سُرنگ بیٹھ نہ جائے۔ اچانک حاتم کو انسانی آوازیں سُنائی دیں۔

یہ آوازیں بائیں جانب کی دیوار کے اندر سے آ رہی تھیں۔ حاتم ذرا آگے بڑھا تو اُسے دو دروازے دکھائی دیے جو سُرنگ کے بالکل آمنے سامنے بنے ہوئے تھے اور جن کے اُوپر بڑی مدھم سی سُرخ روشنی ہو رہی تھی۔

آوازیں بائیں جانب والے دروازے کے اندر سے آ رہی تھیں۔ حاتم سامنے والے دروازے کے پاس جا کر رُک گیا۔ اس نے دروازے کے ایک پٹ کو ذرا سا

اندر کو دبایا تو وہ کھل گیا۔ اُس نے اندر دیکھا۔ یہ ایک اور سُرنگ تھی جو آگے کو جا رہی تھی۔ مگر یہاں دیواروں پر سفید ٹائیلیں لگی تھیں جس کی وجہ سے وہاں اندھیرا زیادہ نہ تھا۔ دُھندلی روشنی کا غبار سا پھیلا ہوا تھا۔ وہ جھٹ اندر داخل ہو گیا۔

وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ حاتم دیوار کے ساتھ ساتھ کھسکتا آگے نکل گیا۔ سُرنگ آگے جا کر مُڑ گئی تھی۔ سامنے پھر ایک دروازہ آ گیا۔ اُس نے دروازے کا پٹ کھولا۔ اندر کسی مشین کے چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ دیواروں پر جگہ جگہ سوئچ بورڈ لگے تھے اور تاروں کا جال پھیلا ہوا تھا۔

ایک راستہ کسی دوسری طرف جاتا تھا۔ حاتم اس راستے سے گزر کر ایک اور کمرے میں آ گیا، جہاں اس نے ایک پنجرے میں سفید رنگ کے ایک السیشن نسل کے کُتّے کو گہری نیند سوتے دیکھا۔ صاف لگتا تھا کہ اُسے بے ہوشی کا انجکشن لگایا گیا ہے۔ اتنے میں کسی کے قدموں کی آواز آئی۔ کوئی اندر آ رہا تھا۔

حاتم نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ دیوار کے ساتھ سیاہ رنگ کی ایک الماری کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے الماری

کے پیچھے چھپ گیا۔ کمرے میں روشنی بہت کم تھی۔ چھت میں ایک پھیکا سا بلب لٹک رہا تھا، جس کی روشنی صرف درمیان میں پڑ رہی تھی۔ حاتم نے الماری کی اوٹ سے دو آدمیوں کو دیکھا۔ انھوں نے سیاہ وردی پہن رکھی تھی اور ایک سٹریچر اُٹھایا ہوا تھا۔ اندر آتے ہی انھوں نے کُتّے کا پنجرا کھول کر اُسے سٹریچر پر ڈالا اور واپس لے کر چل دیے۔ حاتم ایک دم چونک پڑا۔

آپریشن شروع ہونے والا تھا! وہ الماری کے پیچھے سے نکلا اور جدھر وہ آدمی گئے تھے، اُدھر ہی اُن کے تعاقب میں چل پڑا۔ کچھ دُور جا کر وہ آدمی دائیں جانب مڑ گئے۔ حاتم بھی اُدھر کو مُڑ گیا۔ آگے پھر سیڑھیاں نیچے اُتر رہی تھیں۔ گویا اس سُرنگ کے نیچے آپریشن تھیٹر تھا۔ حاتم سیڑھیاں اُترا تو سامنے ایک دروازہ دکھائی دیا، جس کے باہر ایک سیاہ پوش پہرے دار، ہاتھ میں مشین گن لیے، پہرا دے رہا تھا۔ حاتم نہیں چاہتا تھا کہ مشین گن چلنے کا شور ہو۔ اور اب وقت بھی بڑا نازک تھا۔ اُس نے دیوار پر پیر مارے۔ ٹھک ٹھک کی آواز آئی تو پہرے دار نے چونک کر دیکھا اور آواز کی سمت بڑھا۔

حاتم ایک محراب کے ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

جُوں ہی سیاہ پوش پہرے دار اس کے قریب سے گُزرا، اُس نے جُوڈو کا ایک بھرپُور ہاتھ اس کی گردن پر مارا۔ پہرے دار بغیر کسی آواز کے لڑکھڑایا اور بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ حاتم نے اسے گھسیٹ کر دیوار کے ساتھ لٹا دیا۔

اب حاتم لپک کر دروازے کے پاس آیا اور دروازے کے سوراخ میں سے دوسری طرف دیکھا۔ یہ آپریشن تھیٹر کا پہلا کمرا تھا۔ یہاں ڈاکٹر وغیرہ جُوتے اُتارتے تھے۔ اس کے آگے آپریشن تھیٹر تھا۔

حاتم سوچنے لگا کہ کس طریقے سے اندر جائے کہ کسی کو خبر نہ لگ سکے۔ اُسے یقین تھا کہ اگر وہ بے دھڑک اندر چلا گیا تو اُسے کچھ نقصان نہیں ہو گا، لیکن اس معصوم لڑکے کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ڈاکٹر شیطان خطرے کو محسوس کر کے بچّے کو ہلاک کر دے تاکہ بعد میں وہ اس کے خلاف گواہی نہ دے سکے۔

قُدرت اُس کی مدد کر رہی تھی۔ اچانک آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھُلا اور ایک سیاہ پوش ڈاکٹر نکل کر باہر کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے سفید کپڑے سے مُنھ اور ناک ڈھانپ رکھی تھی۔ سر پر بھی ڈاکٹروں کی طرح کی سفید

ٹوپی تھی۔

حاتم بھاگ کر واپس سُرنگ کی محراب میں آکر چھپ گیا۔ سیاہ پوش ڈاکٹر اس کے قریب سے گزرا تو اس نے ایک زور دار جوڈو کا ہاتھ مار کر اُسے بھی بے ہوش کر دیا۔ پھر جلدی جلدی اس کے کپڑے پہنے، سر پر ٹوپی رکھی اور منہ پر سفید کپڑا باندھا۔ پھر کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ یہ ڈاکٹر کس طرف جا رہا تھا!

اتنے میں سامنے سے ایک اور ڈاکٹر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی چھوٹی دو سفید ٹرے تھیں۔ حاتم کو اس نے اپنا ساتھی ڈاکٹر سمجھا اور اُس کے قریب آکر کہا:

"ڈاکٹر، میں تمہاری ٹرے بھی لے آیا ہوں۔ چلو آپریشن شروع ہونے والا ہے۔"

حاتم ٹرے تھام کر ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے آپریشن تھیٹر کی طرف چل دیا۔ اُس نے آنکھیں جھکا کر دیکھا۔ ٹرے میں کسی زرد دوائی میں بھگوئی ہوئی چند گول گول پٹیاں اور ایک سرنج تھی۔

روح سے گفت گو

حاتم طائی آپریشن تھیٹر میں داخل ہو گیا۔ اُس کے سامنے، روشنیوں کے گول دائرے کے نیچے، دو سٹریچر پاس پاس پڑے تھے۔

ایک سٹریچر پر چمڑے کی پیٹی سے ایک بے ہوش کُتّا بندھا ہوا تھا۔ دوسرے سٹریچر پر نو دس سال کا پیارا سا بچّہ بے ہوش پڑا تھا۔ دونوں کے جسم سفید چادروں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ صرف اُن کے چہرے کُھلے تھے۔

یہی وہ لڑکا تھا جس کا دماغ کُتّے کے دماغ سے بدلا جانے والا تھا۔ چار ڈاکٹر بڑی تیزی سے کام کر رہے تھے۔ آکسیجن والی مشین چل رہی تھی۔ کُتّے اور لڑکے حسن کے سر مُونڈ دیے گئے تھے۔

ڈاکٹر شیطان کے بال کن پٹیوں پر سفید تھے۔ اُس کے ہاتھ بھی بُوڑھے آدمی کے سے لگتے تھے۔ حاتم صاف پہچان گیا کہ یہی وہ خبیث ڈاکٹر ہے جس نے اپنے بڑھاپے

کو ایک گھناؤنے گناہ سے خراب کر دیا ہے۔ اُس نے مُنھ پر سفید کپڑا باندھ رکھا تھا جس میں سے اس کی شیطانی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

حاتم حسن کے سٹریچر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ سب سے پہلے کُتّے کے سر کا آپریشن کیا گیا۔ اس کی کھوپڑی بجلی کی ایک آری سے درمیان میں سے کاٹ دی گئی اور اندر سے اس کا بھیجا نکال کر شیشے کے برتن میں محفوظ کر لیا گیا۔ حاتم یہ بھیانک آپریشن دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ اُسے کس انداز سے حملہ کرنا چاہیے۔

اِتنے میں ڈاکٹر شیطان حسن کے سٹریچر کی طرف آ گیا۔ اُس کے ربر کے دستانے خُون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ساتھی ڈاکٹر سے کہا "رُومال"۔

ڈاکٹر نے جھٹ گرم پانی میں بھیگا ہوا رُومال اور ٹرے آگے کر دی۔ ڈاکٹر شیطان نے ہاتھ صاف کر کے رُومال ٹرے میں ڈال دیا۔

حاتم اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔ ڈاکٹر شیطان نے حاتم کی ٹرے میں سے سرنج اُٹھا کر کہا:

"انجکشن، ڈاکٹر مارٹن؟"

حاتم نے جس ڈاکٹر کو بے ہوش کر کے اُس کی

وردی پہنی ہوئی تھی، اُس کا نام مارٹن تھا۔ انجکشن اُس کے کوٹ کی جیب میں رہ گیا تھا۔ حاتم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اُسے اپنی جیب میں سے انجکشن کا کیپسول نکال کر ڈاکٹر شیطان کو دینا تھا، لیکن اُس کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔ ڈاکٹر شیطان کا ہاتھ حاتم کی طرف پھیلا ہوا تھا۔ اُس نے بڑے تعجّب سے کہا :

"انجکشن کیوں نہیں دیتے، ڈاکٹر مارٹن؟"

حاتم نے یُوں ہی جیبیں ٹٹولنا شروع کر دیں۔ دوسرے ڈاکٹر حیرانی سے اُسے تکنے لگے۔ ڈاکٹر شیطان کو ایک دم کچھ شبہ ہوا۔ اُس نے حاتم کی طرف شیطانی آنکھوں سے دیکھ کر کہا :

"کون ہو تم؟"

یہ ایک ایسا سوال تھا کہ جس نے باقی چاروں ڈاکٹروں کو بھی چونکا دیا۔ کیا اُن کے خُفیہ ٹھکانے پر حکومت کا کوئی جاسوس آ گیا ہے؟ وہ سب اپنا اپنا کام چھوڑ کر حاتم کے گرد جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر شیطان نے ہاتھ بڑھا کر حاتم کے مُنہ پر سے سفید کپڑا کھینچ لیا۔ حیرت سے اُن کی چیخ نکل گئی۔ ڈاکٹر مارٹن کی جگہ وہاں کوئی دوسرا آدمی کھڑا تھا!

ڈاکٹر شیطان نے ایک دم بیچ مار کر کہا "اسے قتل کر دو۔"

چاروں ڈاکٹر چاقو اور آپریشن کی چھریاں لے کر حاتم پر ٹوٹ پڑے۔ حاتم نے حسن کے سٹریچر پر زور سے لات ماری۔ سٹریچر سامنے دیوار کے ساتھ جا کر لگ گیا۔ چاروں ڈاکٹر قسائیوں کی طرح حاتم پر چاقوؤں چھریوں سے حملے کر رہے تھے مگر اس کے جسم پر ایک بھی زخم نہیں لگ رہا تھا۔ اُلٹا ڈاکٹروں کے چاقو ٹوٹ گئے اور ان کے ہاتھ بھی زخمی ہو گئے۔

یہ حال دیکھ کر ڈاکٹر شیطان نے خطرے کا الارم بجا دیا۔ سُرنگ میں جہاں جہاں کوئی پہرے دار کھڑا تھا وہ مشین گن تانے آپریشن تھیٹر میں آ دھمکا۔ ڈاکٹر شیطان نے حاتم طائی کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"یہ پولیس کا جاسوس ہے۔ اسے ختم کر دو۔"

پہرے داروں کی مشین گنوں کے منہ کھل گئے۔ زبردست دھماکوں کے ساتھ مشین گنوں کی گولیاں تڑا تڑ حاتم کے جسم پر برسنے لگیں۔ حاتم نے ان کا کوئی خیال نہ کیا۔ کیونکہ یہ گولیاں اُس کے جسم سے ٹکرا کر نیچے گر رہی تھیں۔ وہ بڑی پھرتی سے بے ہوش حسن کی

طرف لپکا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ اس پر تو گولیاں برسائی جا رہی ہیں۔ اگر اُس نے حسن کو اُٹھا لیا تو اس کا جسم گولیوں سے چھلنی ہو جائے گا۔

حاتم نے پہلے اُن خبیث لوگوں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر اور مشین گنوں والے سپاہی اب حیران ہونے لگے تھے کہ اتنی گولیاں کھا کر تو جنگل کے ہاتھیوں کا پورا ریوڑ ہلاک ہو سکتا ہے۔ یہ انسان کس شے کا بنا ہوا ہے کہ اس کے جسم پر کوئی گولی اثر نہیں کرتی! خون کا ایک قطرہ اس کے جسم سے نہیں نکلا!

ڈاکٹر شیطان کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ اس کا دماغ کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ حاتم سے دوستی کر کے اس سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔

اب حاتم منہ پر مکھیوں کی طرح گرتی ہوئی گولیوں سے تنگ آ گیا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک سیاہ پوش پہرے دار کے ہاتھ سے مشین گن چھین کر اُسے مُرمُرے کی طرح چُور چُور کر دیا۔ دوسرے پہرے دار کی گردن پر پُوری طاقت سے ہاتھ مار کر اس کی گردن کا منکا توڑ دیا۔

دو ڈاکٹر چاقو لے کر آگے بڑھے تو اُس نے

دونوں کو گردنوں سے پکڑ کر ایک چکّر دیا اور پھر اُوپر چھت کی طرف اُچھال دیا۔ دونوں اِنسان دُشمن ڈاکٹروں کے سر چھت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئے۔ وہ نیچے فرش پر گرے اور پھر نہ اُٹھ سکے۔

یہ حال دیکھ کر باقی دونوں ڈاکٹر بھاگنے لگے۔ حاتم نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر شیطان کی گردن دبوچ لی۔ اس کا چہرہ بن مانس سے ملتا جُلتا تھا۔ حاتم نے کہا:

"تم انسانیّت کے دُشمن ہو۔ تم نے ڈاکٹروں کے مُقدّس پیشے کا نام بدنام کر دیا ہے۔ تم نہ جانے کتنے معصُوم انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار چکے ہو۔ اس لیے اب اپنے کیے کی سزا بُھگتنے کے لیے تیّار ہو جاؤ۔"

ڈاکٹر شیطان نے دونوں ہاتھ بلند کر دیے اور کہا "میں تم سے صُلح کرنی چاہتا ہوں۔"

حاتم طائی نے کہا "میری شرط یہ ہے کہ میں اس بچّے کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" ڈاکٹر شیطان نے کہا۔

دُوسرے ڈاکٹروں اور سپاہیوں نے ڈاکٹر شیطان کی اس حرکت پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ ایک سپاہی نے مشین گن کا رُخ ڈاکٹر شیطان کی طرف کر دیا۔ گولیاں

ڈاکٹر شیطان کے جسم کو چھلنی کر گئیں۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ایک ڈاکٹر نے پستول نکال کر بے ہوش لڑکے کی کن پٹی پر رکھ دیا اور بولا "اگر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو میں اس لڑکے کو گولی سے اُڑا دوں گا۔"

حاتم ایک دم رک گیا۔ حسن کی زندگی کا سوال تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کہا "تم کیا چاہتے ہو؟"

ڈاکٹر بولا "میں اس لڑکے کو یہاں سے لے کر نکل جاؤں گا۔"

حاتم نے پُوچھا "اس لڑکے کو لے جا کر تمھیں کیا مل جائے گا؟"

ڈاکٹر بولا "میں اس کے ماں باپ سے مُنھ مانگی رقم وصول کروں گا۔"

حاتم نے کہا "اس کے ماں باپ کے پاس تو پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ وہ تمھیں کیا دیں گے۔"

ڈاکٹر کہنے لگا "وہ اپنے بیٹے کے لیے چوری بھی کر لیں گے۔"

"تم بڑے بد کردار ڈاکٹر ہو۔ تم لوگ ڈاکٹری کے مقدس پیشے کے چہرے پر کلنک کا ٹیکا ہو۔ اگر حسن

کی زندگی کا سوال نہ ہوتا تو میں تمہیں ہرگز ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔"

ڈاکٹر مکروہ انداز میں مسکرایا اور پستول کا اشارہ کر کے بولا "ہٹ جاؤ میرے راستے سے! میں باہر جا رہا ہوں۔"

اُس نے بے ہوش لڑکے کو کندھے پر ڈالا اور پستول کی نال اس کی کنپٹی پر رکھے رکھے آپریشن تھیٹر سے باہر نکل گیا۔ سپاہی بھی اس کے ساتھ چلے گئے۔ دوسرا ڈاکٹر زخمی حالت میں فرش پر پڑا موت کا انتظار کر رہا تھا۔

حاتم طائی پریشان ہو گیا۔ جس مقصد کو لے کر وہ یہاں آیا تھا، وہ اس کے سامنے خاک میں مل رہا تھا اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ جو کچھ بھی ہو سکتا تھا اُسی وقت کرنا چاہتا تھا۔ وہ آپریشن تھیٹر سے باہر کی طرف لپکا۔ سُرنگ میں میں کوئی نہ تھا۔ ڈاکٹر بے ہوش لڑکے کو لے کر خُدا جانے کہاں گُم ہو گیا تھا۔ اس خُفیہ لیبارٹری کی بھول بھلیّوں سے حاتم بے خبر تھا۔ پھر بھی اس کے سامنے جو دروازہ آتا، اُسے کھول کر دیکھ لیتا۔ ہر کمرا خالی تھا۔ اچانک ایک

کمرے میں داخل ہوتے ہی حاتم کی نظر ایک ٹائم بم پر پڑ گئی۔

یہ بم آکسیجن کے سلنڈروں کے ڈھیر کے اُوپر رکھا ہوا تھا، اور اس کی سکنڈوں کی سُوئی حرکت کر رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ڈاکٹر شیطان کا اِسسٹنٹ ڈاکٹر یہاں ٹائم بم لگا کر رکھ گیا ہے۔ اگر وہ سُرنگ کے اندر ہوتا تو کبھی بم نہ لگاتا۔

یہاں ٹھہرنا اب خطرناک تھا، کیوں کہ کوئی دم میں بم پھٹنے والا تھا۔ حاتم سُرنگ سے باہر نکل کر قبر میں آگیا۔ قبر اسی طرح کُھلی تھی۔ وہ قبر سے باہر نکلا تو دیکھا کہ رات کا سرد اندھیرا قبرستان میں چھایا ہوا ہے۔ دُھند کی ٹھنڈی چادر نے درختوں اور قبروں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اُس نے قبرستان کا چپّا چپّا چھان مارا لیکن اُس ڈاکٹر کا کھوج نہ ملا۔

اب قبرستان میں زیادہ دیر رُکنا ویسے بھی خطرناک تھا، کیوں کہ نیچے سُرنگ میں لگا ہوا طاقت ور ٹائم بم کسی وقت بھی پھٹ کر تباہی مچا سکتا تھا۔

حاتم نے سوچا کہ کھوپڑی والی رُوح کو بُلانا چاہیے۔ درخت کے سامنے آکر اُس نے روح کو آواز دی۔ رُوح

اُسی وقت آ گئی۔ حاتم نے ساری سرگزشت بیان کی تو
رُوح نے کہا:

"تم سے غلطی ہو گئی، حاتم۔ تمھیں جاتے ہی اُن لوگوں کو قابو میں کر کے ختم کر دینا چاہیے تھا۔"

"اب کیا ہو سکتا ہے! سُرنگ میں تو ٹائم بم کوئی دم میں پھٹنے والا ہے۔ تم مجھے بتاؤ کہ وہ ڈاکٹر لڑکے کو لے کر کہاں گیا ہے؟"

رُوح نے کہا "وہ بیروت شہر کے پُراسرار اندھیروں میں کہیں گُم ہو چُکا ہے۔ اس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ تم بھی جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکل جاؤ۔ بم پھٹنے ہی والا ہے۔"

اتنا کہہ کر رُوح غائب ہو گئی۔ حاتم طائی اس کے غائب ہوتے ہی قبرستان کے دروازے کی طرف لپکا۔ ابھی وہ دروازے کے قریب ہی پہنچا تھا کہ ایک زبردست دھماکا ہوا اور زمین کو جیسے کسی نے قالین کی طرح پٹخ دیا۔ حاتم پانچ فٹ اُوپر اُٹھ کر نیچے جھاڑیوں میں گر پڑا۔

اُس نے پیچھے گھوم کر دیکھا۔ مقبرے کے نیچے جہاں سُرنگ تھی، وہاں زبردست آگ بھڑک رہی تھی۔ بڑے

بڑے شعلے اُبل رہے تھے۔ حاتم قبرستان سے باہر نکل آیا اور رات کے دَم توڑتے اندھیرے میں شہر جانے والی سڑک پر چلنا شروع کر دیا۔

بارش کی وجہ سے سڑک بھیگی ہوئی تھی۔ کھیتوں اور انگور کے باغوں میں کہیں کہیں پانی کھڑا تھا۔ سڑک آگے جا کر اُوپر کو چڑھ گئی۔ پھر اترائی آ گئی۔ حاتم چلتا چلا گیا۔

اب دُور سامنے بیروت شہر کی روشنیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔ رات ڈھل رہی تھی۔ چلتے چلتے حاتم بڑی سڑک پر آ گیا۔ اچانک پیچھے سے ایک ٹرک آتا دکھائی دیا۔ اس کی روشنی بھیگی ہوئی سڑک پر پڑ رہی تھی۔ حاتم نے سڑک کے بیچ میں کھڑے ہو کر ہاتھ ہلانا شروع کر دیا۔

ٹرک قریب آ کر رُک گیا۔ لبنانی عرب ڈرائیور نے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر کرخت لہجے میں پُوچھا:

"کون ہو تم؟"

حاتم نے قریب جا کر کہا "میں شہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کہیں تم فلسطینی فدائی تو نہیں ہو؟"

"کیا تم فلسطینی فدائیوں کے خلاف ہو؟"

ڈرائیور نے مُسکرا کر کہا "اُن کے پیسے تو میرا سارا ٹرک حاضر ہے۔ آؤ، بیٹھو میرے ساتھ"

حاتم طائی ٹرک ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کہا "تم شکل سے عرب دکھائی دیتے ہو"

"ہاں، میں نجدی عرب ہوں"

"یہاں کیا کرنے آئے تھے؟"

"گاؤں میں ایک دوست سے ملنے آیا تھا"

"دوست نے تمھیں آدھی رات کو گھر سے نکال دیا؟"

حاتم نے کہا "میں اس سے زیادہ تمھیں نہیں بتا سکتا"

ڈرائیور مُسکرایا "ماشاءاللہ! عرب فدائی ہو۔ ماشا اللہ!"

اس کے بعد ڈرائیور نے حاتم سے کچھ نہ پُوچھا۔ وہ یہی سمجھا کہ حاتم عرب فدائی ہے اور آدھی رات کو کسی خُفیہ مشن سے واپس آ رہا ہے۔

ٹرک شہر میں داخل ہو گیا۔ بیروت کو مشرقِ وُسطےٰ کی دُلہن کہا جاتا ہے۔ آدھی رات کے بعد بھی شہر کی عمارتوں کی روشنیاں جگ مگ کر رہی تھیں۔ اگرچہ سڑکیں لوگوں سے خالی تھیں، لیکن بند دُکانوں کے سائن بورڈ چمک رہے تھے۔ حاتم طائی ایک چوک میں اُتر گیا اور ڈرائیور

ٹرک لے کر آگے بڑھ گیا۔

حاتم یوں ہی اس جگہ اُتر گیا تھا۔ اُس وقت وہ فلسطینی فدائین عمر، خلیل اور لیلے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جن کو اسرائیلی کمانڈوز اغوا کر کے اسرائیل لے گئے تھے۔ اُن کی زندگی سخت خطرے میں تھی اور انھیں بچانا حاتم طائی اپنا فرض سمجھتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی معصوم حسن کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ اُسے بچانا بھی ضروری تھا۔ حاتم نے سوچا کہ لبنانی اخبار نویس کریمہ کے پاس جانا چاہیے۔ شاید ڈاکٹر شیطان کا کچھ سُراغ مل سکے۔

اُس نے جیب سے کارڈ نکال کر کریمہ کا پتا دیکھا اور فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ٹیکسی آ گئی۔ وہ اس میں بیٹھ کر کریمہ کے فلیٹ کے سامنے جا کر اُتر گیا۔ وہ اتنی صُبح صُبح کریمہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے سامنے والے چھوٹے سے پارک میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

کریمہ کا فلیٹ ایک اٹھارہ منزلہ بلڈنگ میں تھا۔ پارک کے چاروں طرف اُونچی اُونچی عمارتیں تھیں، جن میں کہیں کہیں روشنی ہو رہی تھی۔ کریمہ دوسری منزل کے فلیٹ نمبر

سات بجے میں رہتی تھی۔ وہاں روشنی نہیں تھی۔
حاتم بنچ پر بیٹھ گیا اور گزرے ہوئے سنسنی خیز واقعات پر غور کرنے لگا۔ نقاب پوش گھڑ سوار سے ملاقات، اس کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر پیرس سے لبنان تک آسمانوں کی سیر، پھر لبنان کے پرانے قبرستان میں روح کا ملنا اور پر اسرار سرنگ کا بم کے دھماکے سے پھٹ جانا۔ یہ سارے واقعات بڑے لرزہ خیز تھے۔
حاتم انھی خیالات میں گم تھا اور رات ڈھلتے ڈھلتے ڈھل گئی۔ دن کا اجالا پارک میں اور پارک کے فلیٹوں پر پھیل گیا۔ اب حاتم نے اپنے خیالات سے چونک کر اوپر دیکھا۔ کریمہ کے فلیٹ کی ایک کھڑکی میں روشنی ہو رہی تھی۔ اُس نے فلیٹ کے دروازے پر جا کر گھنٹی بجائی۔ کریمہ کے نوکر نے دروازہ کھولا۔
"آپ کا نام؟"
حاتم طائی نے اپنا نام بتا دیا۔ نوکر دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کریمہ نے خود آ کر دروازہ کھولا۔
"اہلاً و سہلاً، یا حاتم۔ تشریف لائیے"
اس نے سر پر بڑا سا تولیہ باندھ رکھا تھا معلوم

ہوتا تھا کہ وہ غسل خانے سے نہا کر نکلی ہے۔
اس نے حاتم کو ڈرائنگ روم میں لا کر بٹھایا اور ناشتے کے لیے نوکر سے کہا۔
حاتم نے کہا "میں غسل کرنے کے بعد ناشتا کروں گا۔"

"ضرور، ضرور۔"
نہا دھو کر حاتم طائی تازہ دم ہو گیا۔ گرم شاور باتھ نے اس کے جسم کی ساری تکان دُور کر دی تھی۔
دونوں نے مل کر ناشتا کیا۔
"یہ صبح صبح کدھر سے آنا ہوا؟" کریمہ نے پُوچھا۔
حاتم نے کہا "معافی چاہتا ہُوں۔ دعوت رات کی تھی لیکن میں صبح ہی آ گیا۔"
"کوئی بات نہیں مجھے تو بہت زیادہ خوشی ہوئی ہے۔"
اس کے بعد حاتم نے کریمہ کو ساری کہانی سنائی:
اس کا فلسطینی فدائین کی تلاش میں نکلنا، نقاب پوش گھڑ سوار کا ملنا، غار میں اژدہے کا پیغام دینا کہ قبرستان میں جا کر حسن کی جان بچاؤ، اور پھر وہاں سے کریمہ کے فلیٹ میں پہنچنا۔
کریمہ حیرت سے آنکھیں پھاڑے حاتم کی کہانی سُن

رہی تھی۔ اُسے یوں محسُوس ہو رہا تھا جیسے وہ الف لیلہ کی کوئی کہانی سُن رہی ہے۔ سائنس اور جیٹ جہازوں کے زمانے میں اُڑنے والے گھوڑے، باتیں کرنے والے اژدہے اور قبرستان کی رُوح کا ملنا اُسے عجیب و غریب واقعات لگ رہے تھے۔ اگر اُس نے حاتم کو کھڈیں سے بس نکالتے نہ دیکھا ہوتا تو یہی سمجھتی کہ یہ کوئی دیوانہ ہے، اور وہ اُسے فلیٹ سے باہر نکال دیتی۔ لیکن اب اُسے یقین تھا کہ حاتم کی باتوں میں سچّائی ہے۔ وہ جُھوٹ نہیں بول رہا۔ پھر بھی اُس نے پُوچھ ہی لیا:

"حاتم بھائی، کیا واقعی تم پیرس سے بیروت تک اُڑن گھوڑے پر سوار ہو کر آئے ہو؟"

"کیا تمھیں میرا اعتبار نہیں؟"

"اعتبار ہے بھی اور نہیں بھی۔ تم آج کے سائنسی زمانے میں کسی سے یہ کہو کہ تم گھوڑے پر بیٹھ کر آسمان کی سیر کر سکتے ہو تو لوگ تمھیں دیوانہ ہی کہیں گے۔ لیکن پھر تمھاری اس کرامت کا خیال آتا ہے جو تم نے سکول کی بس کھڈ سے نکال کر دکھائی تھی۔ سوچتی ہوں کہ تم ٹھیک ہی کہتے ہو گے۔"

حاتم نے کہا "اب مجھے تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ بتاؤ، تمھارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

حاتم نے کہا "قبرستان کے نیچے ڈاکٹر شیطان نے جو گھناؤنا کاروبار شروع کر رکھا تھا، وہ تو ختم ہو گیا ہے اور ڈاکٹر شیطان اپنے ساتھیوں سمیت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ لیکن اس کا ساتھی ڈاکٹر، جس کو میں شیطان ہی کہوں گا، بے ہوش حسن کو لے کر بیروت کی پُراسرار گلیوں میں گم ہو گیا ہے۔ میں ہر حالت میں اُسے ڈھونڈ کر حسن کی جان بچانا چاہتا ہوں۔"

کریمہ نے مُسکرا کر کہا "سب سے پہلے تم اپنی شیطانی ڈاکٹروں کی وردی تو تبدیل کر لو۔"

حاتم نے مُسکرا کر اپنے کپڑوں کو دیکھا اور بولا "بازار کھل جائیں تو جیکٹ اور پتلون خرید لوں گا۔"

دن نکل آیا۔ بیروت شہر کی ہنگامہ بھری زندگی شروع ہو گئی۔ حاتم نے بازار سے نئے کپڑے خرید کر پہنے اور کریمہ کے فلیٹ میں آکر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کریمہ نے کافی بنا کر اُس کو دی۔ پھر ایک پیالی خود لے کر اُس نے حاتم سے پُوچھا:

"کیا تمھیں یقین ہے کہ اس گنجان شہر میں تم

اُس شیطان ڈاکٹر کو ڈھونڈ لو گے ؟"

حاتم نے جواب دیا "اس سِلسلے میں مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"میں تمہاری ہر ممکن مدد کروں گی، مگر ایک شرط پر۔"

"وہ کیا ہے ؟"

کربیہ مسکرا کر کہنے لگی "میں ایک اخبار نویس ہوں۔ سنسنی خیز خبریں تلاش کرنا میرا پیشہ ہے۔ اگر میں تمہاری طاقت کے راز کے بارے میں ایک سنسنی خیز خبر بنا کر، ثبوت کے ساتھ، اخبار میں شائع کرا دوں تو میری ترقی ہو سکتی ہے۔"

حاتم نے کہا "میں نے تمہیں اپنی بہن کہا ہے۔ میں کسی طرح تمہارے کام آ سکوں تو مجھے خوشی ہو گی۔ لیکن میری طاقت ایک ایسا راز ہے جس کو کھولنے کی مجھے اجازت نہیں ہے۔"

"یہ اجازت تمہیں کون دے گا ؟"

"اناتمی ہی مجھے اجازت دے سکتی ہے۔ میں اُس سے ضرور بات کروں گا۔ اجازت مل گئی تو سوائے تمہارے اور کسی کو یہ راز نہیں بتاؤں گا۔ میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن ابھی میں مجبور ہوں۔"

کریمہ ہنسنے لگی "تم وعدہ کرتے ہو کہ مجھے یہ راز ضرور بتاؤ گے؟"

"پکّا وعدہ کرتا ہوں۔ اب مجھے یہ بتاؤ کہ میں حسن کی جان کس طرح بچا سکتا ہوں؟ اس کی جان بچانا اور شیطان صفت خبیث ڈاکٹر کو قانون کے حوالے کرنا ہمارا فرض ہے۔"

حاتم نے کریمہ کو یہ نہ بتایا کہ حسن کے باپ دادا اس کے لیے بڑی دولت چھوڑ گئے ہیں، جو بیروت شہر کے باہر پہاڑی والے غار کے کنویں میں ہے، اور جس کی حفاظت ایک اژدہا کر رہا ہے۔

کریمہ نے کہا "بیروت ایک بہت بڑا شہر ہے۔ اس کی مثال ایک سمندر کی طرح ہے۔ اس سمندر کے اندر ایک چھوٹی سی کنکری کو تلاش کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ پھر بھی میں کوشش کروں گی، کیوں کہ ایک طرح سے یہ بھی میرے اخبار کے لیے ایک زبردست سنسنی خیز خبر بن سکتی ہے۔"

کریمہ نے ٹیلے فون ڈائریکٹری نکال کر شہر کے ڈاکٹروں کی فہرست دیکھنی شروع کر دی۔ پھر اس نے کئی جگہوں پر ٹیلے فون بھی کیا۔ حاتم اس دوران میں

خاموش بیٹھا میز پر رکھے اخباروں اور رسالوں کو اُلٹتا پلٹتا رہا۔

ایک جگہ ٹیلیفون کرنے کے بعد کریمہ کچھ دیر آنکھیں بند کیے کچھ سوچتی رہی۔ پھر حاتم کی طرف دیکھ کر بولی "آؤ، میرے ساتھ۔"

"کہاں؟"

"تم چلو تو سہی۔"

کریمہ حاتم کو اپنی کار میں لے کر بیروت کی سڑکوں سے نکل کر شہر کے شمالی علاقے میں آ گئی۔ یہاں سمندر کے کنارے اُونچے اُونچے فلیٹ تھے۔ دُور کارخانوں کی چمنیاں سر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ سمندر کی طرف سے تیز ہوا چل رہی تھی۔ کریمہ نے ایک پہاڑی پر، مکانوں کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"شاید ہمارا شکار وہاں ہے!"

شیطانی ٹولا

بارش نہیں ہو رہی تھی، مگر آسمان پر رات کے بادل ابھی تک چھائے ہوئے تھے۔ کریمہ کی کار اُسی پہاڑی والی بستی کی طرف جا رہی تھی جس کی طرف اُس نے اشارہ کیا تھا۔ یہ بستی پہاڑی کے دامن میں تھی۔ سمندر کے کنارے، پہاڑی کے دامن میں آباد اس بستی کی سڑکیں اُونچی نیچی تھیں اور مکانوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ ایک مُدت سے اُن کی مرمت نہیں ہوئی۔

کریمہ کار سڑکوں پر دوڑائے لیے جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ اُسے معلوم ہے کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ عاصم بھی خاموش تھا۔ سڑک تنگ تھی۔ دونوں جانب پرانی پنیروں کی دکانیں تھیں۔ فلیٹوں کے درمیان تنی ہوئی رسّیوں پر عورتوں نے کپڑے سُکھانے کو ڈال رکھے تھے۔

آخر کریمہ نے کار ایک گلی میں کھڑی کر لی۔ گلی کا فرش پتھروں کا بنا تھا، جہاں کہیں کہیں رات کی بارش

کا پانی کھڑا تھا۔

"یہ ہم کہاں آ گئے ہیں؟" حاتم نے پوچھا۔

کریمہ نے کار کا انجن بند کرتے ہوئے کہا "آؤ میرے ساتھ۔"

کریمہ کی حرکتیں حاتم کو بڑی پُر اسرار لگ رہی تھیں۔ ایک بار تو اُسے ایسا لگا جیسے کریمہ بھی اس شیطانی ٹولے سے ملی ہوئی ہے۔ لیکن اُس نے جلد ہی یہ خیال دماغ سے نکال دیا۔ اُسے کریمہ کی معصومیّت اور سچّائی پر یقین تھا۔ سڑک کے پار ایک پُرانی عمارت تھی جس کی پہلی منزل پر کسی ڈاکٹر کا ٹوٹا ہوا بورڈ لگا تھا۔

کریمہ حاتم کو لے کر اس ڈاکٹر کے کلینک میں داخل ہو گئی۔ ایک سفید بالوں والا بُوڑھا ڈاکٹر آرام کُرسی پر بیٹھا کسی موٹی کتاب کے ورق اُلٹ رہا تھا۔ اس کی عینک ناک کی پُھننگ پر کِھسک آئی تھی۔ اس نے کریمہ کو دیکھ کر کتاب بند کر دی اور کہا:

"کیا بیماری ہے؟"

کریمہ نے جُھک کر آہستہ سے پُوچھا "کیا آپ مجھے ڈاکٹر مارٹن کا پتا بتا سکتے ہیں مجھے اُن سے ضروری

کام ہے۔"

بُوڑھے ڈاکٹر کی سفید بھنویں اُوپر اُٹھ گئیں۔ اُس نے عینک کے اُوپر سے کریمہ اور پھر حاتم کو غور سے دیکھا اور پھر بولا "آپ لوگ کون ہیں؟"

کریمہ ڈاکٹر کے پاس کُرسی پہ بیٹھ گئی۔ حاتم بھی بیٹھ گیا۔ کریمہ بولی "میری ماں ڈاکٹر مارٹن کی پُرانی مریضہ ہے۔ اس کو دمے کی شکایت ہے۔ کل رات سے اُس پر دورے پڑ رہے ہیں۔ میں ڈاکٹر مارٹن سے اُس کے لیے دوا لینے آئی ہوں۔"

بُوڑھا ڈاکٹر کہنے لگا "جہاں تک میرا خیال ہے، ڈاکٹر مارٹن کو اس بستی سے گئے ایک مدت ہو گئی ہے۔ وہ کوئی عجیب و غریب قسم کے تجربات کیا کرتا تھا۔ اس کی پُراسرار سرگرمیوں کی وجہ سے یہاں کے لوگوں نے اُسے تنگ کرنا شروع کر دیا اور وہ یہاں سے چلا گیا۔"

پھر بُوڑھا کچھ سوچ کر کہنے لگا "اس کا ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر جیرڈم، یہاں سے دو گلیاں چھوڑ کر، ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔ شاید وہ تمھیں ڈاکٹر مارٹن کے بارے میں کچھ بتا سکے۔"

بُوڑھے کا شکریہ ادا کر کے حاتم اور کریمہ باہر آ گئے۔ حاتم بڑا حیران ہوا کہ کریمہ کس قدر ہوشیار نکلی۔ عین اُسی شیطان ڈاکٹر کی بستی میں پہنچ گئی۔ کریمہ نے بتایا کہ مارٹن نام کے ایک ڈاکٹر کا ذکر کچھ عرصہ پہلے اکثر اخباروں میں آتا تھا۔ لوگوں کو شکایت تھی کہ ڈاکٹر اپنے تہہ خانے میں نہ جانے جانوروں کی لاشوں پر کس قسم کے تجربے کر رہا ہے کہ اُن کی بدبُو سے محلّے والوں کا جینا دوبھر ہو گیا ہے۔

"جب تم نے قبرستان کے تہہ خانے والی لیبارٹری کا ذکر کیا تو میرا خیال ڈاکٹر مارٹن کی طرف چلا گیا۔"

دونوں ڈاکٹر شیطان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر جیروم کے فلیٹ پر گئے۔ ایک پُر اسرار سے بُوڑھے نے دروازہ کھول کر دونوں کو کمرے میں بٹھا دیا اور کہا "ڈاکٹر جیروم ابھی آتے ہیں۔"

حاتم نے دیکھا کہ کمرے کی ساری کھڑکیاں اور روشن دان بند ہیں۔ فضا میں گھٹن اور بُو تھی۔ کریمہ نے بھی اس چیز کو محسوس کیا۔ پھر اُس نے حاتم سے پُوچھا:

"کیا تم ہسرنگ کے ڈاکٹروں میں سے کسی کی صُورت پہنچانتے ہو؟"

حاتم نے جواب دیا "میں نے انھیں آپریشن تھیٹر میں ہی دیکھا تھا اور اُس وقت اُن کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔"

پھر کچھ سوچ کر بولا "ہاں، جو ڈاکٹر حسن کو لے گیا ہے، اس کی شکل میں نے دیکھ لی تھی، کیوں کہ اس کا نقاب گر گیا تھا۔"

"یہ اچّھا ہوا۔ اب تم اس ڈاکٹر جیروم کو غور سے دیکھنا۔"

اتنے میں دروازہ کھُلا اور ایک سیاہ نوکیلی چھجّوں والی مُونچھوں اور گھنی بھنوؤں والا ڈراؤنا سا آدمی آکر بولا:

"کیا کام ہے تم لوگوں کو، ڈاکٹر جیروم سے؟"

کریمہ نے کہا "میں اسی بستی میں رہتی ہوں۔ میری ماں سخت بیمار ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے کہیے، اسے چل کر دیکھ لیں۔"

ڈراؤنی مُونچھوں والا کچھ دیر کریمہ اور حاتم کو دیکھتا رہا۔ پھر حاتم کی طرف اِشارہ کرکے بولا:

"یہ کون ہے؟"

"یہ۔۔۔۔ یہ میرا بھائی ہے۔"

"انتظار کرو" یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔

کریمہ نے کہا "اس کی آنکھوں میں شک تھا"
"میرا خیال ہے، ڈاکٹر جیروم وہی شخص ہے جو حسن کو لے گیا ہے" حاتم یہ کہہ کر گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اتنے میں دروازہ پھر کھلا، اور وہی ڈراؤنی شکل کا آدمی نمودار ہوا۔ اُس نے کریمہ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"تم اندر آ کر ڈاکٹر سے مل سکتی ہو"
"اور میں؟" حاتم نے پوچھا۔
"تم اسی جگہ انتظار کرو گے"

کریمہ ایک بہادر لڑکی تھی اور اخباری زندگی میں اُس نے بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی تھیں۔ اُس نے مسکرا کر حاتم سے کہا:

"ٹھیک ہے، حاتم بھائی۔ تم یہیں ٹھہرو"
حاتم نے اس کے کان میں کہا "تم اُسے کیسے پہچانو گی؟"

کریمہ نے سرگوشی میں جواب دیا "میں واپس آ کر تمھیں اُس کا حلیہ بتا دوں گی"
مونچھوں والے نے گرج کر کہا "یہ کیا کانا پھوسی

کر رہے ہو ؟ جلدی چلو۔"

کریمہ اُس آدمی کے ساتھ دُوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ابھی اُسے گئے دس منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ کمرے کی چھت سے لگی ایک نلکی میں سے سفید سفید بھاپ خارج ہونا شروع ہو گئی۔ حاتم فوراً سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ اُس نے اُٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا، مگر فولاد کا دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ بھاپ میں کوئی بڑی ہی تیز گیس تھی جو تیزی سے کمرے میں پھیل رہی تھی۔ حاتم کو سانس لینے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔ اُس نے پُوری طاقت سے دروازے پر مُکا مارا۔

فولاد کا دروازہ ایک طرف سے ٹُوٹ گیا، مگر اُس وقت تک زہریلی گیس حاتم پر اثر کر چکی تھی۔ وہ بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔ دو سیاہ پوش آدمی منہ پر ماسک چڑھائے اندر آئے اور حاتم کو اُٹھا کر لے گئے۔

کریمہ کو بھی اُن لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ جُوں ہی وہ مُونچھوں والے کے ساتھ دوسرے کمرے میں داخل ہوئی کسی نے پیچھے سے اُس کے سر پر کوئی سخت چیز ماری، جس کی چوٹ سے وہ بے ہوش

ہو کر گری پڑی۔

حاتم کو فلیٹ کے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔ یہ ڈاکٹر شیطان کے نائب ڈاکٹر جیروم کا خُفیہ ٹھکانا تھا، اور اور اُس نے اِسی تہہ خانے میں ایک جگہ حسن کو قید کر رکھا تھا۔ یہ لوگ حاتم کی خُفیہ طاقت کو جان گئے تھے۔ وہ جان گئے تھے کہ حاتم کو صرف بے ہوش کر کے ہی قابُو میں کیا جا سکتا ہے۔

حاتم جب تنگ اور گندے تہہ خانے میں بے ہوش پڑا تھا، اُس کے برابر والے تہہ خانے میں کریمہ کو بند کر دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر جیروم کریمہ کے پاس آیا۔ اُس نے کریمہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے غُصّے سے کہا:

"تُمھاری یہ جُرأت کہ تم ہمارے فلیٹ میں ہماری جاسُوسی کرنے آؤ! میں جانتا ہوں کہ تمھیں ہمارے بارے میں سب کچھ معلوم ہو چکا ہے، لیکن ہمیں کوئی پروا نہیں اس لیے کہ ہم یہ راز تمھارے سینے میں ہی تمھاری قبر میں دفن کر دیں گے۔ ہم آج رات تمھیں ہلاک کر کے زمین میں گاڑ دیں گے۔"

یہ کہہ کر جیروم مکروہ انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر بولا

اُس جادُوگر حاتم کو بھی ہم نے قابُو میں کر لیا ہے۔ اب وہ بھی تمھاری مدد کو نہیں آ سکتا۔ مرنے کے لیے تیاری شروع کر دو۔ آج رات، ٹھیک بارہ بجے، تمھیں زہر کا ٹیکا لگا کر ختم کر دیا جائے گا، کیوں کہ تمھیں ہمارے راز کا پتا چل گیا ہے۔" یہ کہہ کر جیروم مکّاری سے مُسکراتا ہوا چلا گیا۔

کریمہ گہری سوچ میں گُم ہو گئی۔ اُسے اپنے سامنے موت نظر آ رہی تھی۔ حاتم اُس کی مدد کر سکتا تھا، مگر وہ خود بے ہوش پڑا تھا۔ وہ تو اپنی بھی مدد نہیں کر سکتا تھا، پھر اس کی مدد کہاں سے کرتا۔ حاتم کو جُوں ہی ہوش آنے لگتا، اُسے پھر سے بے ہوشی کا انجکشن لگا دیا جاتا۔

اسی طرح رات کے گیارہ بج گئے اور کریمہ کو ہلاک کرنے کی تیاری شروع ہو گئی۔ جیروم نے خود زہر بھرا انجکشن تیّار کیا اور کریمہ کی لاش کو پُرانے قبرستان لے جانے کے لیے ایک سیاہ گاڑی بھی فلیٹ کے پچھواڑے کھڑی کر دی گئی۔

کریمہ پریشان تھی۔ اب اُسے صرف خُدا کی ذات ہی موت سے بچا سکتی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے

اور وہ تہہ خانے میں ہی خُدا کے حضور سجدے میں
گر کر اپنی زندگی کی دُعا مانگنے لگی ۔ وہ ابھی مرنا
نہیں چاہتی تھی ۔ وہ نوجوان تھی اور ابھی اُسے بہت
کچھ کرنا تھا ۔ لیکن یہ لوگ اُسے مارنے کا فیصلہ کر چکے
تھے، کیوں کہ وہ ایک اخبار نویس تھی اور ان کے خُفیہ
جرائم کو اخبار میں چھاپ کر انُھیں پھانسی پر چڑھوا سکتی
تھی ۔ کریمہ دیر تک سجدے میں پڑی خُدا سے اپنی زندگی
کی دُعائیں مانگتی رہی ۔ اس کی کلائی پر گھڑی بندھی ہوئی
تھی ۔ رات کے گیارہ بجے تو تہہ خانے کے باہر کُچھ
کھڑ بڑ سی ہونے لگی ۔ ایسا لگتا تھا کہ کچھ لوگ اندر
آنے والے ہیں ۔ ٹھیک بارہ بجے تہہ خانے کا دروازہ کُھلا
اور دو آدمیوں کے ساتھ ڈاکٹر جیروم اندر داخل ہوا ۔
اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ تھی ۔ ایک آدمی
نے چھوٹی سی ٹرے اُٹھا رکھی تھی ۔ دوسرے آدمی کے
ہاتھ میں ریشمی ڈوری تھی ۔ جیروم نے کریمہ سے کہا :
"تمہارا آخری وقت آ گیا ہے ۔ خُدا کو یاد کرنا ہے
تو کر لو۔"
کریمہ کا رنگ زرد ہو گیا ۔ اس کا دل خوف سے
بیٹھا جا رہا تھا ۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتی تھی ۔ اس کے

ہونٹ دہشت سے خشک ہو گئے تھے۔ یہ ظالم شخص تو جلّاد بن کر سچ مچ اُسے موت کی نیند سُلانے آ گیا تھا۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ دل ہی دل میں خدا کو یاد کر رہی تھی کیوں کہ اب خدا ہی اُسے بچا سکتا تھا۔

جیروم نے اپنے ساتھی کو اشارہ کیا تو وہ ریشمی ڈوری لے کر کریمہ کی طرف بڑھا اور پیچھے سے اُس کے دونوں ہاتھ پیٹھ پر باندھ دیے۔ جیروم نے کریمہ سے پوچھا:

"کیا تمھاری آنکھوں پر پٹّی باندھ دی جائے؟"

کریمہ نے اس کے جواب میں بڑی بہادری سے کہا:

"نہیں۔ میں اتنی بزدل نہیں ہوں۔ اگر میری قسمت میں مرنا ہی لکھا ہے تو میں بہادری سے جان دوں گی۔"

کریمہ اب موت کے لیے تیار تھی، اور موت اُس سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

جیروم نے اشارہ کیا۔ دوسرا آدمی ٹرے لے کر آگے آ گیا۔ جیروم نے ٹرے میں رکھے ہوئے انجکشن کی سرنج اُٹھا لی۔ پھر بجلی کے بلب کی طرف رُخ کر کے اُس کو ذرا سا دبایا۔ سرنج میں کالے رنگ کا زہر بھرا ہوا تھا۔ دبانے سے اس کی سوئی میں سے سیاہ رنگ

کا قطرہ اُوپر آگیا۔
جیروم نے پیچھے ہٹ کر سرنج کو ذرا سا جھٹک دیا۔ پھر وہ کریمہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔"تیّار ہو جاؤ۔ موت تمھیں اس دُنیا کے دُکھوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات دلانے آ رہی ہے۔"
کریمہ کا سارا بدن ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے دُھند سی چھانے لگی تھی۔ شاید یہ موت کی دُھند تھی۔ گھڑی کی سُوئی نے جب رات کے ٹھیک بارہ بجائے تو جیروم کریمہ کے زہر بھرا ٹیکا لگانے کے لیے آگے بڑھا۔
اُس نے کریمہ کا بازو ایک ہاتھ سے پکڑا ہی تھا کہ ایک دھکّا سا لگا۔ کریمہ نے دُھند میں دیکھا کہ جیروم کے ہاتھ سے سرنج فرش پر گر کر ٹُوٹ گئی ہے۔ اور خود جیروم یُوں گر پڑا ہے جیسے اُسے کسی نے دھکّا دیا ہو۔
جیروم کے ساتھیوں نے بڑے تعجّب سے جیروم کی طرف دیکھا کہ وہ اپنے آپ کیسے گر پڑا اور سرنج کس طرح ٹُوٹ گئی! وہ جیروم کو اُٹھانے کے لیے جُھکے ہی تھے کہ ایک زبردست جھٹکا کھا کر وہ بھی پیچھے کی طرف

گر پڑے۔ جیروم نے فرش سے اُٹھتے ہوئے کہا:

"جلدی سے اس لڑکی کو گولی مار دو"

اُس کے ایک ساتھی نے جیب سے پستول نکال لیا۔ وہ گولی چلانے ہی والا تھا کہ پستول خود بخود اس کے ہاتھ سے اُچھل کر چند فٹ اُوپر جا کر لٹک گیا پھر اس کی نالی کا رُخ نیچے کی طرف ہُوا اور اس میں سے دو گولیاں نکل کر جیروم کے دونوں ساتھیوں کے سروں میں پیوست ہو گئیں۔ دونوں وہیں ڈھیر ہو گئے

کریمہ کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ کوئی طاقت جو نظر نہیں آ رہی تھی، وہاں موجود تھی اور اُس کی مدد کر رہی تھی۔

جیروم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو، خون میں لت پت موت کی نیند سوتے دیکھا تو اُٹھ کر دروازے کی طرف بھاگا۔ پستول ابھی تک ہوا میں لٹک رہا تھا۔ جُوں ہی وہ باہر کو بھاگا، پستول نیچے آ گیا، تیزی سے اس کی نال کا رُخ دروازے کی طرف ہُوا، اُس میں سے ڈز ڈز کر کے دو گولیاں نکلیں اور جیروم کی پیٹھ میں گھس گئیں۔

جیروم مُنہ کے بَل گر پڑا۔ اُس کا ماتھا دروازے کی دہلیز سے زور سے ٹکرایا اور وہ تھوڑی دیر تڑپ کر

ٹھنڈا ہو گیا۔ اب پستول خالی ہو چکا تھا۔ وہ جیروم کی لاش کے اُوپر گر پڑا۔

گولیوں کی آواز سُن کر جیروم کا مونچھوں والا ساتھی تہہ خانے میں بھاگتا ہوا آیا۔ اُس نے فرش پر اپنے تین ساتھیوں کی لاشیں پڑی دیکھیں تو اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اُس نے کریمہ کی طرف کھاجانے والی نظروں سے دیکھا، اور پھر جیروم کی لاش پر سے پستول اُٹھا کر کریمہ پر فائر کر دیا۔ مگر صرف ٹک کی آواز آئی۔ کوئی گولی نہ چلی۔ پستول پھینک کر وہ گینڈا نُما انسان کریمہ کا گلا گھونٹنے کے لیے آگے بڑھا۔ ابھی اُس کے ہاتھ کریمہ کے گلے تک پہنچے ہی تھے کہ اُسے بھی ایک زبردست جھٹکا لگا اور وہ دھڑام سے پیچھے کی جانب گر گیا۔

غیبی اِنسان

کریمہ یہ سب کچھ حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

مُونچھوں والا زمین پر گرتے ہی اُٹھا۔ اُس نے اپنی پیٹی سے خنجر نکالا اور کریمہ کی طرف بڑھا۔ ایک بار پھر موت کے سائے کریمہ پر منڈلانے لگے۔ لیکن

قدرت اُس کی مدد کر رہی تھی۔
مونچھوں والے کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جُوں ہی کریمہ کے نزدیک آ کر اُس نے خنجر لہرایا، ایک زبردست غیبی مُکّا اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ اُلٹ کر پیچھے جا گرا۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑا۔ وہ خنجر اُٹھانے لگا تو ایک اور مُکّا اس کے مُنہ پر پڑا اور اس کے ہونٹوں سے خُون بہنا شروع ہو گیا۔ اس کے بعد کسی غیبی انسان نے اُس پر مُکّوں اور لاتوں کی بارش کر دی اور وہ نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گیا۔
کریمہ بُت بنی بیٹھی تھی۔ تہہ خانے میں اُس کے سامنے تین لاشیں پڑی تھیں اور ایک زخمی بے ہوش پڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ پھر اُسے یُوں لگا جیسے کوئی غیبی ہاتھ اس کے ہاتھوں کی رسّی کھول رہا ہے۔ رسّی کُھل گئی۔ کریمہ کے ہاتھ آزاد ہو گئے۔ وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اُس نے چاروں طرف حیرت سے دیکھا اور پھر بولی:
"تم...... تم کوئی فرشتہ ہو یا جن بھوت؟"
اس پر اُسے کسی اِنسان کی بھاری پُرسکون آواز سُنائی

دی "میں غیبی اِنسان ہوں، اور مجھے اژدہے نے تمہاری
مدد کے لیے بھیجا ہے۔"

"غیبی انسان؟"

"ہاں۔"

"میں کیا تمہیں دیکھ نہیں سکتی؟"

"نہیں۔ ابھی نہیں۔"

"حاتم کہاں ہے؟"

"میرے ساتھ آؤ۔ وہ برابر والے تہہ خانے میں
بے ہوش پڑا ہے۔"

کریمہ نے محسوس کیا کہ اس کے آگے آگے کوئی
انسان چل رہا ہے۔ اُسے قدموں کی ہلکی ہلکی چاپ سُنائی
دے رہی تھی۔ اُس نے دیکھا کہ دروازہ اپنے آپ
کُھل گیا ہے۔ وہ دروازے میں سے گزر کر برابر والے
تہہ خانے میں آ گئی۔ اس تہہ خانے کا دروازہ بھی
خود بخود کُھل گیا تھا۔ یہ کام غیبی انسان کر رہا تھا۔

کریمہ جو کچھ دیکھ رہی تھی، اُس نے اپنی زندگی میں
پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین
نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ گھر جاتے ہی
یہ ساری کہانی لکھ کر اپنے اخبار میں چھاپے گی۔ بیرونِ

کے لوگ جادو کی یہ داستان پڑھ کر حیران رہ جائیں گے۔
تہہ خانے میں حاتم بے ہوش پڑا تھا۔ اتنے میں کمرے کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی غیبی انسان نے کریمہ سے کہا:
"دروازے کے پیچھے چھپ جاؤ۔ جلدی!"
کریمہ دروازے کی اوٹ میں ہو گئی۔ ایک ہٹا کٹا آدمی اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں گیس کی سپرے مشین تھی۔ وہ حاتم کو دوبارہ بے ہوش کرنے کے لیے گیس لایا تھا، کیوں کہ حاتم دس منٹ بعد ہوش میں آنے والا تھا۔ تہہ خانے کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ حیران سا ہوا، مگر جب اس نے حاتم کو فرش پر بے ہوش پڑے دیکھا تو اس کی تسلّی ہو گئی۔
گیس کی مشین اس نے حاتم کے پاس رکھ دی اور اس کی نلکی اس کی ناک میں لگانے لگا۔ غیبی انسان نے نلکی اس کے ہاتھ سے جھٹکے کے ساتھ چھین لی اور سپرے کی مشین اٹھا کر دیوار پر دے ماری۔ اس آدمی کا سر چکرا گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا کہ کس نے اس کے ہاتھ سے سپرے مشین چھین کر دیوار پر ماری ہے!

اچانک اُس نے کریمہ کو دروازے کی اوٹ میں چھپے دیکھ لیا۔ وہ گرج کر بولا "تم تہہ خانے سے کیسے نکل بھاگیں؟"

کریمہ نے کہا "میں آزاد ہو چکی ہوں، مگر تم یہاں سے نہ نکل سکو گے۔ تم انسانوں کے قاتل ہو۔ تمھیں قانون کے حوالے کیا جائے گا۔"

اُس آدمی نے جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا۔ یہ بڑا خطرناک اِقدام تھا۔ غیبی انسان کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا کہ یہ بدمعاش اتنی جلدی پستول نکال کر فائر کر دے گا۔ لیکن خوش قسمتی سے گولی کریمہ کے نہ لگی۔ اس کے سر کے قریب سے ہوتی ہوئی پیچھے دیوار میں گھس گئی۔

اب غیبی انسان کی باری تھی۔ اُس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اُس بدمعاش کو فرش سے اُٹھایا، ہوا میں گھمایا اور پھر زور سے دیوار پر دے مارا۔ وہ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

اتنے میں حاتم کو ہوش آ گیا۔ کریمہ کو اپنے پاس دیکھ کر وہ خوش ہو کر بولا:

"تم ..... تم ٹھیک ہو نا؟ میں کہاں ہوں؟"

"ڈاکٹر شیطان کے تہہ خانے میں۔"

"کیا وہ کم بخت ابھی تک زندہ ہے؟ یہ کس کی لاش پڑی ہے؟"

اب غیبی انسان کی آواز سنائی دی "حاتم طائی، میں تم دونوں کی مدد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ ان لوگوں کو اپنے گناہوں کی سزا مل گئی ہے۔ ان کے ساتھی جو باقی بچ گئے ہیں انھیں پولیس کے حوالے کر دیا جائے گا۔"

حاتم نے تہہ خانے میں اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا "تم ...... تم کون ہو اور کہاں ہو؟"

غیبی انسان نے کہا "مجھے تمھاری مدد کے لیے اژدہے نے بھیجا تھا۔ میں غیبی انسان ہوں بلکہ تم مجھے غیبی ناگ کہہ سکتے ہو۔"

حاتم حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ اُس نے کریمہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا "میری بہن کی زندگی خطرے میں ہے۔ اسے یہاں سے نکال کر لے جاؤ۔"

کریمہ نے جھٹ کہا "میں تمھیں بھی اپنے ساتھ لے کر جاؤں گی۔"

"اچھا، چلو۔ یہاں سے تو نکلیں" حاتم نے کہا۔

غیبی انسان کی آواز آئی "میں اُوپر جا کر فلیٹ میں دیکھتا ہوں۔ تم دونوں میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ"۔

اُوپر کا فلیٹ بالکل خالی تھا۔ غیبی انسان حاتم اور کریمہ کو وہاں سے نکال کر باہر گلی میں لے آیا۔ سمندر کے کنارے کریمہ کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ حاتم نے غیبی انسان سے کہا:

"ابھی ایک اہم کام باقی ہے۔ یہ بتاؤ کہ حسن کہاں ہے؟ ہمیں اُسے بھی اپنے ساتھ لینا ہے"۔

غیبی انسان کی آواز آئی "میں نے اُسے یہاں سے نکال کر کریمہ کے فلیٹ میں پہنچا دیا ہے۔ تم لوگ وہاں جاؤ گے تو حسن بستر پر سو رہا ہو گا"۔

حاتم نے غیبی انسان کا شکریہ ادا کیا اور کہا "اژدہے کا بھی میری طرف سے شکریہ ادا کرنا اور اُس سے کہنا کہ میں حسن کو اس کے ماں باپ کے پاس پہنچا کر تمہارے پاس آؤں گا"۔

"خُدا حافظ!" غیبی انسان کی آواز آئی۔

"خدا حافظ!" حاتم نے کہا اور کریمہ کو گاڑی چلانے کا اِشارہ کیا۔ کریمہ نے گاڑی اسٹارٹ کی اور فلیٹ کی طرف روانہ ہو گئی۔

ابھی رات کا ایک پہر باقی تھا کہ وہ اپنے فلیٹ پر پہنچ گئے۔ معصوم حسن کریمہ کے پلنگ پر سو رہا تھا۔ حاتم نے اس کے اوپر کمبل ڈال دیا۔ کریمہ نے کافی بنائی۔ پھر حاتم سے کہنے لگی:

"اگر تم مجھے یہ سب کچھ اخبار میں چھاپنے کی اجازت دے دو تو یہ اِس سال کی سب سے بڑی خبر ہو گی، اور میری ترقی ہو جائے گی۔"

حاتم نے کہا "کریمہ، مجھے افسوس ہے کہ میں تمھیں اِن واقعات کو اخبار میں چھاپنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"آخر کیوں؟"

"یہ قُدرت کے راز ہیں۔ میں تمھیں یہ راز لوگوں پر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہاں، تم یہ خبر دے سکتی ہو کہ ڈاکٹر شیطان کے خُفیہ ٹھکانے کا سُراغ مل گیا ہے، اور وہ گھناؤنے تجربے کرنے والا تھا۔ ہم پولیس کو بھی اِطّلاع کر دیں گے۔ تم حسن کے بارے میں بھی خبر دے سکتی ہو۔ مگر یہ نہیں بتا سکتیں کہ ایک غیبی انسان نے ہماری مدد کی تھی اور یہ کہ حسن کے نام اُس کے باپ دادا نے کروڑوں روپے کا خزانہ چھوڑا ہے،

جس کی حفاظت ایک اژدہا کر رہا ہے۔"

کریمہ خاموش ہو گئی۔ پھر بولی "مگر تم نے اپنے بارے میں تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے اپنی خفیہ طاقت کا راز بتاؤ گے۔"

"میں یہ وعدہ ضرور پورا کروں گا، لیکن ابھی نہیں۔"

"پھر کب؟" کریمہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"جب اس معصوم بچّے کو اس کا خزانہ مل جائے گا اور یہ دشمنوں سے پوری طرح محفوظ ہو جائے گا۔"

کریمہ نے اس کے بعد کوئی سوال نہ کیا۔

دوسرے دن صبح صبح حاتم حسن کو لے کر اس کے ماں باپ کے گھر پہنچ گیا۔ اُن کا پتا حسن نے بتایا تھا۔ حسن کے ماں باپ بیروت کی ایک گنجان آباد غریب اور گندی بستی میں رہتے تھے۔ اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوشی سے اُن کی چیخیں نکل گئیں۔ وہ اس کی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ انھوں نے حاتم کا آنسو بھری آنکھوں سے شکریہ ادا کیا۔

حاتم ابھی انھیں اتنے بڑے خزانے کی خوش خبری نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے شام کو آنے کا وعدہ کیا اور کریمہ کے فلیٹ میں آ گیا۔

اُسی روز پولیس نے کریمہ کی اِطّلاع پر ڈاکٹر جیرم کے فلیٹ پر چھاپا مار کر باقی مجرموں کو گرفتار کر لیا۔

شام کو حاتم حسن کے گھر گیا اور جب اُس نے حسن کے ماں باپ کو یہ راز بتایا کہ ایک بہت بڑا خزانہ اُن کی قسمت بدلنے کے لیے اُن کا اِنتظار کر رہا ہے تو وہ دنگ رہ گئے۔ انھیں یقین نہیں آتا تھا۔ آخر حاتم نے کہا:

"میرے ساتھ چل کر خزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ آپ کی امانت پر ایک اژدہا پہرا دے رہا ہے۔"

حسن کی والدہ کہنے لگی "بیٹا، ہم غریب لوگ ہیں۔ اتنی بڑی دولت لے کر کیا کریں گے؟"

حاتم نے کہا "آپ اپنے بچّے کو اعلیٰ تعلیم دلائیں، بیروت میں ایک شاندار گھر بنوائیں اور باقی زندگی ٹھاٹھ سے بسر کریں۔"

حسن کے باپ کے چہرے پر مسرّت کی کرنیں چمکنے لگیں۔ اُس نے حاتم سے کہا "یہ خزانہ تمھاری وجہ سے ہمیں مِلا ہے، اس لیے آدھی دولت ہم تمھیں دیں گے۔"

حاتم مُسکرا دیا۔ کہنے لگا "بھائی، میرے پاس اس سے بھی زیادہ دولت تھی، جو میں نے لوگوں میں خیرات

کر دی۔"

حسن کے باپ نے کہا "اس میں کیا شک ہے۔تمہاری سخاوت تو دُنیا بھر میں مشہور ہے۔مگر یہ ہم تمھیں اپنی خوشی سے دے رہے ہیں۔"

حاتم نے کہا "مجھے دولت کی ضرورت نہیں۔مجھے دولت سے نہیں بلکہ لوگوں کے کام آکر، اُن کی مدد کر کے، خوشی ہوتی ہے۔یہی میری دولت ہے۔یہ خزانہ آپ ہی کو مُبارک ہو۔آپ یہ دولت لبنان کے کسی بینک میں جمع کرا دیں اور جتنا ٹیکس بنتا ہے وہ حکومت کو ادا کر دیں۔"

"انشاءاللہ ایسا ہی ہو گا۔"

اُسی رات حاتم طائی نے حسن کے باپ کو ساتھ لیا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر بیروت شہر کی اُس پہاڑی کی طرف روانہ ہو گیا جس کے غار میں خزانہ دفن تھا۔پہاڑی پر چڑھتے چڑھتے حسن کے باپ کا سانس پھُول گیا۔بڑی مُشکل سے ہانپتا ہوا غار کے اندر پہنچا۔حاتم نے ٹارچ روشن کر لی تھی۔جب وہ اس کُنویں کے پاس پہنچے جس کے اندر خزانہ تھا تو حسن کا باپ اژدہے کو دیکھ کر ڈر گیا۔اس پر اژدہے نے کہا:

"اے حسن کے باپ، ڈرو نہیں۔ میں تمہارا دوست ہوں، اور تمہاری امانت کی حفاظت کر رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آج میں نے اپنا فرض پورا کر دیا یہ دولت تمہاری ہے، اسے وصول کر لو"

اتنا کہہ کر اژدہا کنویں کے اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ اژدہا باہر نکلا تو اس کے سر پر ایک گول صندوق تھا۔ یہ صندوق اس نے کنویں کے باہر رکھ اور پھر کنویں کے اندر غائب ہو گیا۔

حاتم نے صندوق کھولا تو وہ سونے چاندی اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ حسن کے باپ کی آنکھیں اتنی دولت دیکھ کر چکا چوند ہو گئیں۔ حاتم نے صندوق اپنے کندھے پر رکھا اور نیچے لے آیا۔ ٹیکسی سڑک پر کھڑی تھی وہ خزانے کو گھر لے آئے۔

دوسرے روز حسن نے اپنی دولت کا اعلان کر د سارا خزانہ بنک میں جمع کروا کر اس کا انکم ٹیکس اد کیا اور بیروت کے شمال میں سمندر کے کنارے ایک محل خرید کر وہاں چلے گئے۔ حاتم اسی رات واپس غا میں پہنچا۔ کنویں میں اژدہا نہیں تھا، لیکن اسے ایک عورت کی آواز آئی:

"حاتم طائی، تم نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ اب عُمر، خلیل اور لیلےٰ کی تلاش میں جاؤ اور ان کی مدد کرو۔ انھیں تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔"

حاتم نے کہا "میں اُنھی کے بارے میں ہدایات لینے یہاں آیا ہوں۔ مجھے بتایا جائے کہ میں اُن سے کہاں مل سکوں گا؟"

کنُویں کے اندر سے عورت کی آواز آئی "سنو حاتم۔ عُمر اور خلیل واپس اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے ہیں۔ صرف لیلےٰ واپس نہیں آئی۔ اُسے اسرائیلیوں نے لندن شہر سے ایک سو کلومیٹر مشرق میں، بلیک برن، جھیل کے کنارے، ایک غیر آباد پُرانے قلعے میں قید کر رکھا ہے۔ وہ لوگ لیلےٰ سے زبردستی ایک کاغذ پر دستخط کروانا چاہتے ہیں۔ اگر لیلےٰ نے دستخط کر دیے تو فلسطین کے مجاہدین کی بڑی بے عزّتی ہو گی۔ لیلےٰ دستخط نہیں کر رہی۔ اسرائیلی اُس پر تشدّد کر رہے ہیں۔"

حاتم نے پوچھا "وہ لوگ اُسے اِسرائیل سے لندن کیوں لے آئے ہیں؟"

عورت نے کہا "اُن کا مقصد لیلےٰ کو ساری دُنیا میں بدنام کرنا ہے اور وہ یہ کام لندن ہی میں کر سکتے

ہیں۔ تم اب جاؤ اور فلسطینی فدائیوں کی اس بہادر مجاہدہ کی مدد کرو۔"

حاتم طائی نے جواب دیا "میں پہلی فرصت میں لندن روانہ ہو جاؤں گا۔"

پہاڑی غار سے نکل کر حاتم سیدھا کریمہ کے فلیٹ پر آ گیا۔ رات تھوڑی رہ گئی تھی۔ حاتم سو گیا۔ صبح اس کی آنکھ کھلی تو دھوپ کمرے کی بالکونی پر آئی ہوئی تھی۔ کریمہ بالکونی میں آرام کرسی پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ حاتم نے نہانے کے بعد ناشتا کیا اور پھر کریمہ کو بتایا کہ وہ لندن جا رہا ہے۔

"کیا تم مجھے انٹرویو دیئے بغیر ہی چلے جاؤ گے؟"

حاتم نے کہا "شاید ایسا ہی ہو گا۔"

کریمہ نے اخبار فرش پر پٹخ دیا اور جھنجھلا کر بولی "تمھیں مجھے انٹرویو دینا ہو گا۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔"

حاتم نے کہا "کریمہ، ڈاکٹر شیطان کی کہانی چھاپ کر تم نے پہلے ہی لوگوں کی دشمنی مول لے لی ہے۔ اب زیادہ انٹرویو مت چھاپو، لوگوں کے۔ آخر تمھیں اسی شہر بیروت میں رہنا ہے۔"

کریمہ غصّے سے پیر جھٹک کر آرام کرسی سے اُٹھی ہی تھی کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور کریمہ کی گردن کے بالکل قریب سے ہوتی ہوئی بالکونی کی چوکھٹ میں میں دھنس گئی۔ حاتم نے اُچھل کر کریمہ پر چھلانگ لگائی اور اُسے دھکّا دے کر کمرے کے فرش پر گرا دیا۔

کریمہ کا جسم موت کی دہشت سے کانپ رہا تھا۔ حاتم لیٹے لیٹے اُسے گھسیٹ کر بیڈ روم کے دروازے کی طرف بڑھا تو ایک اور گولی بالکونی میں سے آئی اور کریمہ کے بالکل پاس قالین میں دھنس گئی۔

"کریمہ! میں اُٹھنے لگا ہوں۔ تم قالین پر تیزی سے گھسٹتی ہوئی بیڈ روم میں گھس جاؤ۔ جلدی کرو۔"

حاتم ایک دم اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ کریمہ گھسٹتی ہوئی بیڈ روم میں داخل ہو گئی۔ حاتم لپک کر بالکونی میں آگیا۔ اُس نے سامنے والے فلیٹ کی ایک کھڑکی میں سے ایک سُرخ بالوں والا آدمی ایک طرف کو بھاگتے دیکھا۔ اُس نے کھڑکی میں سے باہر چھلانگ لگا دی۔

اب وہ بھاگ کر سامنے والے فلیٹ کے دروازے پر گیا، مگر سُرخ بالوں والا آدمی پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ حاتم نے ایک گاڑی کے سٹارٹ ہونے

کی آواز سُنی ۔ پھر ایک سُرخ رنگ کی گاڑی اس
کے آگے سے گزر گئی۔ حاتم اس شخص کو پکڑنا چاہتا
تھا تاکہ وہ کریمہ پر دوبارہ قاتلانہ حملہ نہ کر سکے۔
اتنے میں ایک ٹیکسی قریب سے گزری۔ حاتم
اُس میں سوار ہو گیا اور ڈرائیور سے سُرخ کار کا تعاقب
کرنے کو کہا۔ صُبح کا وقت تھا۔ سڑکوں پر ٹریفک کا
زیادہ رش نہیں تھا۔ یہ جدید عمارتوں والا علاقہ تھا اور
یہاں سڑکیں چوڑی تھیں۔ سُرخ کار حاتم کی گاڑی کے
آگے آگے جا رہی تھی۔
شہر سے نکل کر گاڑیاں پہاڑی علاقے میں آ گئیں
اگلی گاڑی والے کو بھی پتا چل چُکا تھا کہ اس کا
پیچھا کیا جا رہا ہے۔ اُس نے گاڑی کی سپیڈ کافی
تیز کر دی تھی۔ پہاڑی سڑک پر اتنی سپیڈ خطرناک
ہوتی ہے۔ حاتم سے ٹیکسی ڈرائیور نے کہا:
"جناب، میں اتنی تیز رفتار پر گاڑی نہیں چلا سکتا
"میں تمھیں پانچ پونڈ زیادہ دُوں گا۔ کوشش کرو کہ
اس گاڑی سے آگے نکل سکو۔"
"یہ بہت مُشکل ہے، جناب۔ میں چھوٹی سی پہاڑی
سڑک پر اوورٹیک نہیں کر سکتا۔"

دونوں گاڑیاں خطرناک سڑک پہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے بھاگی جا رہی تھیں کہ اچانک ایک موڑ آ گیا۔ سُرخ بالوں والے نے گاڑی کو تیزی سے موڑا تو اس کا اگلا دروازہ کھٹاک سے کھُل کر الگ ہو گیا اور لڑھکتا ہوا پہاڑی کے کھڈ میں جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی گاڑی میں سے سُرخ بالوں والا اُچھل کر باہر آن گرا۔ گاڑی پہاڑی سے ٹکرا کر اُلٹ گئی اور اُس میں آگ لگ گئی۔ حاتم نے ٹیکسی رکوائی، ڈرائیور کو دس پونڈ دیئے اور سُرخ بالوں والے کے پیچھے دوڑا۔

گاڑی میں سے آگ کے شُعلے اُٹھ رہے تھے۔ حاتم اس کے قریب سے گزرا تو ایک زبردست دھماکا ہوا اور گاڑی کی پٹرول کی ٹنکی پھٹ گئی۔ حاتم چھلانگ لگا کر آگے ہو گیا۔ پہاڑی پر جگہ جگہ درختوں کے جھُنڈ اور جنگلی گھاس کی جھاڑیاں تھیں۔ حاتم نے چاروں طرف دیکھا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ صرف دھماکے کے بعد گاڑی کے جلنے کی آواز آ رہی تھی۔

سُرخ بالوں والا وہیں کسی جگہ چھُپا ہوا تھا۔

اچانک ٹھائیں کی آواز کے ساتھ ایک گولی حاتم کے قریب ہی درخت کے تنے پر آ کر لگی۔ حاتم

اس طرف کو لپکا جدھر سے گولی کی آواز آئی تھی۔ وہ جھاڑیوں میں سے آگے بھاگا جا رہا تھا کہ ایک اور گولی آئی اور سیدھی حاتم کے بازو پر آ کر لگی۔ حاتم نیچے بیٹھ گیا۔ وہ حملہ آور پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ اس پر گولی کا اثر نہیں ہوتا۔

حملہ آور کو اب حاتم نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے حاتم کے بازو میں گولی لگتے دیکھ لی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ حاتم زخمی ہو کر گر پڑا ہو گا۔ وہ پستول ہاتھ میں لیے درخت کی اوٹ سے نکلا اور جس جگہ حاتم کے گولی لگی تھی اُس طرف بڑھنے لگا۔ یہ اُس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ حاتم اُسے اپنی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔

حاتم آگے کو رینگا تو جھاڑیوں میں حرکت ہوئی۔ سُرخ بالوں والے نے اُوپر تلے پستول کے تین فائر کر دیے۔ تینوں میں سے کوئی بھی گولی حاتم کے نہ لگی۔ اُس نے جھاڑیوں میں چُھپے رہنا اب مناسب نہ سمجھا اور جب حملہ آور اُس سے کوئی بیس قدم کے فاصلے پر تھا تو اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے حاتم کو دیکھا تو پستول کا رُخ اُس کی طرف کر کے گولی چلا دی۔

ایک، دو، تین۔ پُورے تین فائر ہوئے۔ جنگل

ایک بار پھر گولیوں کے دھماکوں سے گونج اُٹھا۔ تینوں گولیاں حاتم کے سینے پر لگیں۔ سُرخ بالوں والے کا خیال تھا کہ حاتم تین گولیاں کھا کر زمین پر گرنے سے پہلے ہی مر چکا ہو گا، مگر اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ اس کا دُشمن ویسے ہی کھڑا ہے اور اب اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سُرخ بالوں والا گھبرا گیا۔ اُس کے پستول کے چیمبر میں تین گولیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اُس نے وہ بھی حاتم پر فائر کر دیں۔

آسیبی قلعہ

گولیاں حاتم کے سینے سے ٹکرا کر نیچے گر پڑیں۔ اب سُرخ بالوں والا دہشت زدہ ہو گیا۔ اُسے یقین ہو گیا تھا کہ اُس کا مُقابلہ انسان کے بجائے کسی جن بھُوت سے ہے۔ وہ خالی پستول پھینک کر اُلٹے پاؤں بھاگا۔ حاتم اُسے زندہ پکڑ کر پولیس کے حوالے کرنا چاہتا تھا۔ وہ قاتل کے پیچھے بھاگا، اور پہاڑی جنگل میں اُن کی دوڑ شروع ہو گئی۔

سُرخ بالوں والا بڑی تیزی سے جھاڑیوں اور درختوں

سے بچتا ، دائیں بائیں گھومتا ، آگے بڑھ رہا تھا۔ حاتم بھی اُسی رفتار سے اُس کا پیچھا کر رہا تھا۔ آخر پہاڑی راستوں پر بھاگتے بھاگتے سُرخ بالوں والا تھک گیا۔ اس کا سانس پھول گیا اور وہ ہانپنے لگا۔ لیکن حاتم پر اس بھاگ دوڑ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اب وہ بالکل اُس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

سُرخ بالوں والا جان بچانے کے لیے ایک چٹان کی طرف مُڑ گیا۔ اس چٹان کے دوسری طرف سمندر تھا، جس کی خوف ناک لہریں پتھروں سے ٹکرا کر شور پیدا کر رہی تھیں۔ سُرخ بالوں والا چٹان کے اُوپر چڑھ رہا تھا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا، لیکن وہ پھر بھی اُوپر چڑھتا چلا جا رہا تھا۔ حاتم نے اُسے آواز دی :

"رُک جاؤ اور اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دو۔ آگے مت جاؤ۔"

سُرخ بالوں والا حاتم کی آواز سُن کر اور زیادہ خوف زدہ ہو گیا۔ اُسے یُوں لگا جیسے اُس کی موت اُسے آوازیں دے رہی ہے۔ وہ زیادہ تیزی سے اُوپر بڑھنے لگا۔ اس کا پاؤں بار بار پھسل رہا تھا جس سے پتھر نیچے گر رہے تھے۔

حاتم نے دوبارہ اُسے رُکنے کے لیے آواز دی تو وہ پھر بوکھلا گیا۔ وہ چٹان کے اُوپر چڑھ چکا تھا۔ جُوں ہی حاتم اس کے قریب پہنچا، اُس نے ایک چیخ مار کر دوسری طرف چھلانگ لگا دی۔

دوسری طرف، بہت نیچے گہرائی میں، سمندر تھا اور اُس کے کنارے پتھروں کی نوکیلی چٹانیں تھیں۔ سُرخ بالوں والا ایک چٹان کے اُوپر گرا۔ اُس نے ایک دہشت ناک چیخ ماری اور پھر سمندر کی موجوں نے اُسے اپنے اندر چُھپا لیا۔

حاتم چٹان پر کھڑا کچھ دیر نیچے سمندر کو دیکھتا رہا۔ سمندر کی موجیں سُرخ بالوں والے کی کٹی پھٹی لاش کو گھیرے سمندر میں لے جا رہی تھیں۔

حاتم کو اس کی موت کا کوئی افسوس نہ ہوا۔ کیوں کہ اُس نے کریمہ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہ تو اُس لڑکی کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بچ گئی، ورنہ سُرخ بالوں والے نے اُسے ہلاک کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ حاتم پہاڑی سے اُتر کر نیچے سڑک پر آ گیا۔ فوراً ہی اُسے ایک ٹیکسی مل گئی جس میں سوار ہو کر وہ کریمہ کے فلیٹ میں پہنچ گیا۔

کریمہ اس عرصے میں پولیس اور ڈاکٹر کو فون کر چکی تھی اور پولیس نے آکر رپورٹ درج کر لی تھی۔ حاتم نے بھی اپنا بیان لکھوایا۔ ڈاکٹر نے کریمہ کو، ٹیکا لگا کر، طاقت کی گولیاں کھلا دی تھیں اور وہ بستر پر سکون سے لیٹی تھی۔ حاتم نے پولیس کو بتایا کہ سُرخ بالوں والے نے سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی اور وہ مر چکا ہے۔ پولیس اُس کی لاش نکالنے کے لیے روانہ ہو گئی۔

حاتم نے اپنا سامان ٹھیک کرنا شروع کر دیا۔ اُس کے پاس صرف ایک چھوٹا سا بریف کیس تھا جس میں اُس نے اپنی دو قمیصیں اور جینز رکھی اور کریمہ کے پاس آ گیا۔ غیبی انسان سے اُس کی ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ وہ اُسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ ایک خُفیہ اور اہم مشن پر لندن جا رہا ہے۔ کریمہ پھر اُس سے اُس کی طاقت کا راز پُوچھنے لگی۔

حاتم نے کہا "بہن کریمہ، میں تمھیں ابھی اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ میں ایک بُزرگ کی دُعا سے اِس دُنیا کے دُکھی انسانوں کی خدمت کے لیے آیا ہوں۔ مجھے ایک طاقت دی گئی ہے جس کی وجہ سے میں ایک خاص مُدت تک مر نہیں سکتا۔ جب میرا مِشن مکمل ہو جائے گا،

جب اِس دُنیا کے دُکھی لوگوں کے دُکھ ختم ہو جائیں گے، تو میں واپس چلا جاؤں گا۔"

کریمہ پلنگ پر اُٹھ کر بیٹھ گئی "کیا میں یہ سب کچھ تمہاری تصویر کے ساتھ اپنے اخبار میں چھاپ سکتی ہوں؟"

"نہیں۔ ابھی نہیں۔ کچھ وقت تمھیں اِنتظار کرنا پڑے گا۔"

کریمہ نے کہا "مگر حاتم بھائی، کب تک؟"

حاتم بولا "جب اِس دُنیا کے دُکھ ختم ہو جائیں گے۔"

کریمہ نے کہا "مگر اس دُنیا کے دُکھ تو شاید کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ دُنیا کا ہر آدمی کسی نہ کسی مُصیبت میں پھنسا ہوا ہے۔ کہیں غریبی ہے، کہیں بے کاری ہے، کہیں بھُوک کہیں بیماری ہے۔ آخر تم کِس کِس کا دُکھ دُور کرو گے؟"

حاتم نے آہ بھر کر جواب دیا "میری بہن، جب تک مجھ سے ہو سکا اور جہاں تک ہو سکا، میں دُکھی انسانوں کے کام آتا رہوں گا، اُن کی خدمت کرتا رہوں گا۔ میں نے حسن کو اُس کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا۔ میں نے اس کا جائز حق دلوا دیا۔ اور اب میں فلسطینی مُجاہدہ لیلٰے کو دُشمنوں کے پنجے سے آزاد کرانے لندن

جا رہا ہوں۔ یہ بات میں نے تمھیں اس لیے بتائی ہے
کہ تم میری بہن کے برابر ہو، اور مجھے یقین ہے کہ
تم کسی اور کو یہ بات نہیں بتاؤ گی۔"
کریمہ خاموش بیٹھی حاتم کی باتیں سُن رہی تھی۔
اس نے پوچھا "لندن میں تم کب تک رہو گے؟"
"جب تک لیلےٰ کو اسرائیلیوں کے پنجے سے آزاد نہیں
کرا لیتا۔"
"کیا مجھے وہاں سے خط لکھو گے؟"
"تم کسی سے بات نہیں کرو گی، اور میرے راز
کو راز ہی رکھو گی؟"
"میں تمھارے راز کو اپنے دل میں دفن کر لوں
گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس کے بارے میں نہ کسی
سے کوئی ذکر کروں گی اور نہ ایک لفظ اخبار میں
چھاپوں گی۔"
حاتم نے خوش ہو کر کریمہ کے سر پر ہاتھ رکھا
اور کہا "تم میری بڑی اچھی بہن ہو۔"
اُسی دن آدھی رات کی فلائٹ سے حاتم لندن
روانہ ہو گیا۔ کریمہ اسے ایئرپورٹ تک چھوڑنے آئی۔
حاتم نے اُسے تاکید کی کہ وہ اپنے دُشمنوں یعنی شیطان

ڈاکٹر کی ٹولی کے باقی آدمیوں سے ہوشیار رہے، کیونکہ یہ سُرخ بالوں والا قاتل بھی اُسی ٹولی کا آدمی تھا۔

بوئنگ جہاز نے ٹیک آف کیا اور بیروت کے جگمگاتے شہر کے اُوپر پرواز کرنے لگا۔ پھر اُس کا رُخ بحیرۂ رُوم کی طرف ہو گیا۔ پیرس کے ایئرپورٹ پر جہاز کچھ دیر کے لیے رُکا تو حاتم کو پیرس میں گزارے ہوئے دن یاد آگئے۔ جہاز نے یہاں سے ٹیک آف کیا تو سیدھا لندن کے ایئرپورٹ پر جاکر اُترا۔

رات کا ایک پہر ابھی باقی تھا۔ لندن شہر کچھ سو رہا تھا، کچھ جاگ رہا تھا۔ اس شہر کی حاتم نے بڑی کہانیاں سُنی تھیں۔ پُراسرار لندن، جہاں قدم قدم پر راز چھُپے ہوئے ہیں۔ شرلاک ہومز اور فرینکسٹین کے بھُوت کا شہر، لندن۔ ان کے بارے میں حاتم نے بہت کچھ سُن رکھا تھا۔

اُس نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ لندن کے اردگرد تاریک جنگلوں میں ایسے پُراسرار آسیبی قلعے ہیں جہاں آدھی رات کو بھٹکی ہوئی روحیں آتی ہیں، اور اپنے بچھڑے ہوؤں کو دردناک آواز میں پُکارتی ہیں۔ جو

کوئی بھولا بھٹکا مسافر اُن کی آواز سُن لیتا ہے غش کھا کر گر پڑتا ہے۔

لندن کا شہر کُہرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ سڑکوں کی روشنیاں دُھندلی دُھندلی سی تھیں۔ سردی ہڈیوں کو جما رہی تھی۔ حاتم کو کریمہ نے ایک گرم کوٹ دیا تھا جو اُس نے پہن رکھا تھا۔ سردی اور گرمی کا احساس حاتم کو اتنا زیادہ نہیں ہوتا تھا، پھر بھی لندن کی سردی اُسے اپنے جسم میں اُترتی محسوس ہو رہی تھی۔

حاتم ایئرپورٹ پر بوئنگ جہاز کی سیڑھیوں سے اُتر کر بس میں سوار ہونے کے لیے قطار میں کھڑا تھا۔ بس نے اُسے ایئرپورٹ کے لاؤنج کے دروازے پر لا کر اُتار دیا۔ اس کے پاس صرف ایک بریف کیس ہی تو تھا۔ کسٹم سے جلد ہی فارغ ہو گیا۔ لندن کے ایئرپورٹ کا لاؤنج بڑا کشادہ اور پُر رونق تھا۔ باہر آ کر اُس نے ٹیکسی لی اور کوئینز ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس ہوٹل کا پتا بھی کریمہ نے اُسے دیا تھا۔

لندن کے گُنجان آباد علاقے میں یہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔ حاتم نے رجسٹر میں اپنا نام درج کرایا اور کمرے میں آ کر سو گیا۔ دوسرے روز وہ اُس وقت بیدار

ہوا جب کافی دن چڑھ آیا تھا۔ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر اُس نے لندن کا نقشہ نکالا اور بلیک برن قصبے پر سُرخ پنسل سے نشان لگا دیا۔ یہی اس کا نشانہ تھا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد اُس نے ٹیکسی لی اور زیرِ زمین ریلوے سٹیشن پر آ گیا۔ یہاں سے الیکٹرک ٹرین میں سوار ہو کر سو میل دُور بلیک برن ریلوے سٹیشن پر اُتر گیا۔

ریلوے سٹیشن کی سیڑھیاں چڑھ کر وہ سڑک پر آیا تو دیکھا کہ ایک چھوٹے سے قصبے کی صاف سُتھری سڑک ہے جس پر لوگ آجا رہے ہیں۔ ٹریفک کا زیادہ رش نہیں تھا۔ عمارتیں سادہ اور پُرانے طرز کی تھیں۔ فٹ پاتھ پتّھر کے تھے۔ سردی بہت زیادہ تھی، اور دن کے وقت بھی دُھند پھیلی ہوئی تھی۔ سُورج آسمان پر چھائے ہوئے سلیٹی رنگ کے بادلوں میں چُھپا ہوا تھا۔

حاتم ایک خُفیہ مشن پر تھا اس لیے بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ اسرائیلی کمانڈو اس قدر رازداری سے کام کر رہے تھے کہ برطانیہ کی حکومت کو بھی اُن کی سرگرمیوں کی خبر نہ تھی۔

حاتم پیدل ہی چلتا ہوا شہر سے باہر آگیا۔ اُس نے نقشے میں بلیک برن جھیل کو دیکھ رکھا تھا اور اب اُسی کی طرف اندازے سے چل رہا تھا۔ قصبہ چھوٹا سا تھا۔ وہ بہت جلد قصبے سے باہر آگیا۔ یہاں آلو اور مکئی کے کھیت تھے جن پر کُہرا چھایا ہوا تھا۔

کہیں کہیں کھیتوں میں غلّے کے سٹور بنے ہوئے تھے۔ ایک باڑے سے گائے کے ڈکرانے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ ایک کچّی سڑک پر جا رہا تھا جو کھیتوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ ایک کسان سامنے سے آ رہا تھا۔ قریب سے گزرتے ہوئے اُس نے حاتم کی طرف دیکھا اور گزر گیا۔

اب جنگل کا علاقہ شروع ہو گیا تھا۔ یہاں دیودار اور مہاگنی کے اُونچے اُونچے درخت کھڑے تھے۔ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں پر جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ حاتم نے کوٹ کی جیب سے نقشہ نکالا اور اُسے کھول کر دیکھا۔ نقشے کے مطابق وہ اپنی منزل پر پہنچ چکا تھا۔ اُس نے نقشہ لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور سوچنے لگا کہ وہ جھیل کہاں ہے، جس کے کنارے

بلیک برن کا پرانا قلعہ ہے۔

"ضرور ان سامنے والے ٹیلوں کے پار ہو گا۔"

یہ سوچ کر وہ سامنے والے ٹیلوں کی طرف چلا۔ ٹیلے کی چڑھائی چڑھنے کے تھوڑی دیر بعد ہی اُسے دوسری طرف جھیل کے کنارے قلعے کی ٹوٹی پھوٹی برجیاں نظر آنے لگیں۔ وہ بہت خوش ہوا۔ یہی وہ قلعہ ہے جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا۔ اور اسی قلعے کے اندر اسرائیلی جاسوس فلسطینی مجاہدہ لیلٰے کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے۔

قلعہ کافی بلند اور مضبوط تھا، مگر اس کی دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ بڑے دروازے کی ایک محراب آدھی ڈھے چکی تھی۔ لکڑی کا بڑا پھاٹک بھی ٹوٹ چکا تھا۔ جو کچی سڑک قلعے کو جاتی تھی، وہ بالکل ویران پڑی تھی۔ قلعے اور ٹیلے کے درمیان جھیل بلیک برن تھی۔

حاتم ایک دم جھاڑیوں کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس نے قلعے کی برجی میں ایک انسانی سائے کو دیکھا جو آنکھوں پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ حاتم نے غور سے

دیکھا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ آدمی دُور بین لگائے ہوئے ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اسرائیلی جاسوس ہو اور چوکیداری کر رہا ہو۔

"کہیں اُس نے مجھے دیکھ تو نہیں لیا؟" یہ خیال حاتم کے دماغ میں آیا تو وہ دُور بین والے پہرے دار کو غور سے دیکھنے لگا۔ اس کا شک جلد ہی دُور ہو گیا۔ ایسی بات نہیں تھی۔ پہرے دار نے اُسے نہیں دیکھا تھا۔ کیوں کہ اگر اُس کی نظر حاتم پر پڑی ہوتی تو وہ ایک دم نیچے اِطلاع کرنے چلا جاتا۔ وہ بُرجی میں ہی کھڑا دُور بین سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔

حاتم نے سوچا کہ اس قلعے میں داخل ہونے کا سب سے موزوں وقت رات کا ہے۔ رات کے اندھیرے اور سخت سردی اور دُھند میں جب ہر طرف ویرانی اور ہُو کا عالم ہو گا، اُس وقت وہ قلعے میں داخل ہو گا، اور پہرے دار اُسے نہیں دیکھ سکے گا۔ وہ ٹیلے سے نیچے اُتر آیا۔ قصبے میں آ کر اُس نے ریلوے سٹیشن کے سامنے ایک ہوٹل میں کمرا لیا اور اب رات کا انتظار کرنے لگا۔

دس بجے تک وہ اپنے خفیہ مشن کے بارے میں غور کرتا رہا۔ اُس کے پاس ایک ریوالور تھا جس کے آگے سائی لینسر لگا تھا۔ سائی لینسر سے گولی چلنے کا دھماکا نہیں ہوتا۔ بس ٹِک کی آواز آتی ہے۔ یہ ریوالور بھی اُس نے لیلے کی جان بچانے کے لیے رکھ لیا تھا، ورنہ اُسے اپنے لیے تو کسی ہتھیار کی ضرورت نہ تھی۔ اُس کے پاس ایک چھوٹی سی جیبی ٹارچ بھی تھی، جس کی روشنی ننّھے سے دائرے میں پڑتی تھی۔

قصبے کے گھڑیال نے رات کے گیارہ بجائے تو حاتم نے کمرے کی بتّی گُل کر دی۔ پھر باہر نکل کر دروازے میں تالا لگایا اور سیڑھیاں اُتر کر فٹ پاتھ پر آ گیا۔ وہ بہت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ چند سیکنڈ وہ ہوٹل کی دیوار کے ساتھ لگ کر اندھیرے میں کھڑا سڑک کا جائزہ لیتا رہا۔ سڑک سُنسان اور دُھند میں ڈُوبی ہوئی تھی۔ مکانوں میں کہیں کہیں ایک آدھ جگہ روشنی ہو رہی تھی، جو کُہرے کی وجہ سے بڑی مُشکل سے سڑک تک آتی تھی۔

اچانک حاتم کو کسی کے بھاری بُوٹوں کی چاپ

سُنائی دی۔ وہ جلدی سے ہوٹل کے دروازے کے اندر ہو گیا، کیوں کہ دیوار کے پاس کھڑے رہنے سے اُس پر شک ہو سکتا تھا کہ کہیں وہ چور نہ ہو۔

بُوٹوں کی چاپ قریب آ گئی۔ پھر ایک پولیس والا ہاتھ میں ڈنڈا لیے ہوٹل کے دروازے کے آگے سے گزر گیا۔

جب اُس کے بوٹوں کی چاپ کافی دُور نکل گئی تو حاتم ہوٹل کے دروازے میں سے نکلا اور فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ سڑک سُنسان تھی۔

کُہرے میں سرد رات ایسی خاموش تھی جیسے وہ قبرستان کی رات ہو۔ اگرچہ دن کے وقت حاتم نے قلعے کا سارا راستہ دیکھ لیا تھا، پھر بھی اندھیرے اور دُھند کی وجہ سے اُسے دِقّت پیش آ رہی تھی۔ دُھند اتنی زیادہ تھی کہ پندرہ بیس قدموں کے فاصلے پر کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔

حاتم اندازے سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جلد ہی وہ قصبے سے باہر نکل آیا۔ اب وہ اُس کچّی سڑک پر آ گیا تھا جو بل کھاتی ہوئی پہلے کھیتوں اور اس

کے بعد اس دیودار کے گھنے جنگل میں سے گزر کر اُسی ٹیلے تک چلی گئی تھی جس کی دوسری جانب پُرانا قلعہ تھا۔

یہاں حاتم کو غیبی انسان کا خیال آ گیا کہ شاید وہ اس کی مدد کرنے آجائے۔ لیکن پھر اُس نے سوچا کہ ابھی اُسے اُس کی ضرورت نہیں ہے۔ کھیتوں میں رات زیادہ سرد اور دُھند زیادہ گہری ہو گئی تھی۔

یہاں کوئی آدم تھا، نہ آدم زاد۔ ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ حاتم نے دونوں ہاتھ اوور کوٹ کی جیبوں میں دے رکھے تھے اور برابر آگے بڑھا جا رہا تھا۔ کھیت ختم ہو گئے۔ دیودار کے گھنے درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ درخت بڑے ڈراؤنے لگ رہے تھے، جیسے بڑے بڑے بھوت بال کھولے کھڑے ہوں۔

اچانک ایک اُلّو بول اُٹھا "ٹُٹ ٹُٹ ٹُٹ"۔

ایک بار تو حاتم بھی خوف سے چونک پڑا۔ کم بخت اس اُلّو کو بھی اسی وقت اپنی ڈراؤنی آواز نکالنی تھی۔ حاتم دیودار کے گھنے درختوں کے نیچے سے گزر رہا

تھا۔ درخت تاریکی اور دھند میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کوئی دوسرا شخص ہوتا تو شاید خوف اور دہشت سے غش کھا کر گر پڑتا، مگر حاتم ان باتوں پر دھیان دیے بغیر اپنے مقصد اور مشن کو سامنے رکھے، بڑھتا چلا گیا۔

وہ دُوسری جانب اُترنے کے بعد، جھیل کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ سامنے قلعہ کسی بھُوت کے بہت بڑے مکان کی طرح، آگے کو جھیل پر جھُکا ہوا تھا۔ اُسے دُور سے دیکھ کر ہی بدن میں سنسنی دوڑ جاتی تھی۔ ایک بہت بڑا تاریک سایہ تھا جو سرد ویران اندھیری رات میں آسمان کے نیچے بازو پھیلائے کھڑا تھا۔ حاتم بڑی ہوشیاری سے چل رہا تھا۔ اب وہ قلعے کے بالکل قریب تھا اور اسرائیلی کمانڈو لمحات کو غافل نہیں ہو سکتے تھے۔

عین ممکن تھا کہ یہودیوں نے قلعے کے اِردگِرد جاسوسی کا جال پھیلا رکھا ہو۔ کسی جگہ کوئی ایسا الیکٹرانک خُفیہ آلہ چھُپا رکھا ہو جو اُنھیں حاتم کی آمد کی خبر کر دے۔

حاتم پھُونک پھُونک کر قدم اُٹھا رہا تھا۔ قلعے کی

دیوار کے بالکل قریب آ کر وہ رُک گیا۔ اُس نے پیچھے گردن موڑ کر دیکھا کہ کوئی اُس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ لیکن پیچھے سوائے اندھیرے اور دُھند کے اور کچھ نہ تھا۔ حاتم قلعے کے پیچھے آ گیا۔

یہاں زمین پر پتھر ہی پتھر تھے۔ قلعے کی دیوار اُوپر کو اُٹھتی چلی گئی تھی۔ اندھیرے میں دیوار کی اوپر والی بُرجی دُھندلی نظر آ رہی تھی۔ حاتم نے کوٹ کی اندرونی جیب سے نائلون کی پتلی مگر بے حد مضبوط رسّی کا گچھا نکالا، اور اس کے ایک سرے پر چھوٹا سا فولاد کا آنکڑا لگایا۔ یہ آنکڑا اُوپر جا کر پھنس جاتا ہے۔ پھر اُس نے رسّی کو زور زور سے گھمانا شروع کیا۔ جب وہ کافی گھما چکا تو آنکڑے کو اُوپر، دیوار کی بُرجی کی طرف، اُچھال دیا۔

رسّی آنکڑے کو لے کر ٹھیک بُرجی کے پتھروں پر پہنچ گئی۔ اُوپر پتھروں میں فولادی آنکڑے کے گرنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ حاتم دیوار کے ساتھ لگ کر اِدھر اُدھر تکنے لگا کہ کہیں کوئی پہرے دار اس کی آواز سُن کر اُدھر تو نہیں آ رہا۔ مگر ہر طرف

خاموشی ہی خاموشی تھی۔

وہاں کوئی نہ تھا۔ اگر کوئی تھا تو حاتم کو اس کی خبر نہ تھی۔ اب اُس نے رسّی کو اپنی طرف کھینچا۔ بُرجی کے پتھروں میں آنکڑا پھنس گیا تھا۔ حاتم نے پورا بوجھ رسّی پر ڈالا۔ رسّی نے اُس کے بوجھ کو برداشت کر لیا۔ اس کے بعد اُس نے رسّی کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر دونوں پاؤں قلعے کی دیوار پر لٹکائے اور آہستہ آہستہ اُوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

چڑھائی بالکل سیدھی تھی۔ اس لیے اُسے اُوپر چڑھنے میں کافی دیر لگی۔ بُرجی پر پہنچتے ہی اُس نے رسّی کو اُوپر کھینچ لیا۔ پھر اُسے لپیٹا اور گچھّا بنا کر کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ جھیل کی طرف سے سرد ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔

وہ دبے دبے قدم اُٹھاتا آگے بڑھا۔ آگے مُنڈیر تھی۔ اُس نے جھانک کر نیچے دیکھا۔ یہ ایک اور چھت تھی جس کے دونوں جانب کوٹھڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن کہیں روشنی نہیں تھی۔

حاتم سوچنے لگا کہ اب کیا کرے؟ نیچے کس طرح

اُترے؟ وہ قلعے کی دوسری منزل کی چھت پر جانا چاہتا تھا۔ اُس کو خیال آیا کہ یہاں کہیں سیڑھیاں ضرور ہوں گی۔ وہ اندھیرے میں چھت پر دبے پاؤں چلتا کونے والے بُرج میں آ گیا۔ یہاں، اندھیرے میں، اُسے ایک دروازہ نظر آیا۔ جس کے اندر سے ایک زینہ نیچے چلا گیا تھا۔

حاتم زینے کی پتھریلی سیڑھیاں اُترنے لگا۔ زینے کے اندر ایسا گھُپ اندھیرا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا تھا۔ حاتم زینے سے نیچے اُتر گیا۔

زینہ قلعے کی دُوسری چھت پر آ کر ختم ہو گیا تو حاتم نے کان کھڑے کر کے کُچھ سُننے کی کوشش کی کہ شاید کسی طرف سے کوئی آواز آئے۔ مگر کوئی آواز نہ آئی۔ سارے قلعے پر موت کا سکُوت چھایا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ قلعہ نہیں، کوئی بہت بڑی قبر ہے۔ جس کے اندر مُردے دفن ہیں۔

حاتم کے دل میں خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اژدہے کو غلط فہمی ہوئی ہو، اور یہاں اسرائیلی کمانڈو نہ ہوں۔ لیکن بہت جلد اُسے یہ خیال دِل سے نکال دینا پڑا۔ اس کے کانوں میں کسی عورت کی بے چیخ کی آواز ٹکرائی تھی۔

ایسا لگا جیسے یہ آواز کسی قبر کے اندر سے آئی ہو۔
دبی دبی، گھٹی گھٹی، لرزتی ہوئی، روتی ہوئی۔

حاتم کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ اور کان عورت کی آواز پر لگا دیئے۔ دوسری بار ایک کمزور سی آواز آئی اور پھر خاموشی چھا گئی۔

حاتم ہولے ہولے قدم اٹھاتا رات کے اندھیرے میں قلعے کی چھت پر اس طرف بڑھا جدھر سے عورت کی آواز آئی تھی۔ ایک جگہ چھت میں نیچے سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ آواز ان ہی سیڑھیوں میں سے آئی تھی۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگا۔ ابھی وہ پہلی سیڑھی پر ہی تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے اس کی گردن کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ لیا!

وہ کون تھا جس نے حاتم کی گردن کو دبوچا؟
چیخ کی آواز کس عورت کی تھی؟
پُر اسرار قلعے کا راز کیا تھا؟
غیبی انسان حاتم کو لندن میں کہاں ملا؟
ان سوالوں کا جواب آپ کو اس سیریز کی اگلی
کتاب "حاتم طائی لندن میں" میں ملے گا۔

حاتم طائی زندہ ہو گیا!



دُکھیوں کا ہمدرد

بے کسوں کا سہارا

اپنے وقت کا سب سے زیادہ سخی اور بہادر انسان

جو 1500 سال پہلے عرب میں فوت ہو گیا تھا

دوبارہ زندہ ہو گیا ہے!

آپ اِس کے حیرت انگیز اور جرأت و بہادری سے بھرپور کارنامے پڑھتے وقت ——— ہر ہر سطر پر، اُچھل اُچھل پڑیں گے ———

وہ، اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر، ایک پاکستانی لڑکے کو بھارت کی قید سے چھڑاتا ہے، فلسطینی مجاہدوں کے ساتھ مل کر اسرائیل کے فوجی اڈّے اُڑاتا ہے، لندن کے لوگوں کو ایک خوں خوار انسانی بھوت سے نجات دلاتا ہے۔

آپ کے جانے پہچانے ادیب اے حمید کے اس دِل چسپ اور حیرت انگیز ناول کے پانچ حصے چھپ چکے ہیں ———

حاتم طائی لاہور میں ٭ حاتم طائی دِلّی میں ٭ حاتم طائی پیرس میں

٭ حاتم طائی لبنان میں ٭ حاتم طائی لندن میں



فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ لاہور - راولپنڈی - کراچی

ISBN:969 0 00264 3



Rs. 150.00